اکائی ۱

عصر عباسی کا ایک اجمالی تعارف

تمہید

سیاسی احوال

خلاصہ

سوالات

اجتماعی اور معاشرتی زندگی

خلاصہ

فکری اور علمی زندگی

خلاصہ

سوالات

شاعری عباسی دور میں

تمہید

ایرانی ادب نے عربی ادب کو خاصا متاثر کیا

باکمال ایرانی ہستیاں

خلاصہ

المولدون

مولدین یا محدثین سے مراد

ان کی خوبیاں اور خامیاں

خلاصہ

شعروشاعری سے خلفاء کی دلچسپی

شاعری کی اہمیت

دور اول کے شعرا

لفظ ومعنی

بغدادی رجحان

شامی رجحان

شامی رجحان کی چند خصوصیات

خلاصہ

اس کی دور کی شاعری پہ پڑنے والے اثرات

تمہید

شعر کے الفاظ اور اسالیب بیان میں اثرات

شاعری کے خیالات اور معانی میں اثرات

قدیم موضوعات جدید قالب میں

معانی میں جدت آفرینی

فکر معانی کا احاطہ واستقصا

منظر نگاری اور خیال کی پرواز

فلسفیانہ فکر اور بیرونی تہذیبوں کا رنگ

عقلی دلائل اور حسن تعلیل

مبالغہ آرائی

کلام کا نچوڑ

شعر کے اغراض ومقاصد

اباحی غزل

حکمت

زہد

مناظر قدرت کی تصویر گری

شراب نوشی

خلاصہ

سوالات

اکائی-۱ عصر عباسی کا ایک اجمالی تعارف

تمہید:

بنوامیہ کے زوال کے بعد عباسی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔اس حکومت کا قیام اصل میں نئی ثقافت، نیا تمدن اور نئی معاشرت کا قیام تھا۔اس دور میں نئے علوم کا تعارف ہوا، نئے خیالات اور نئی زندگی کے رجحانات کو ادب وشاعری نے قبول کیا۔ ذیل کے سطور کے مطالعے سے آپ کو ان عوامل وموثرات کا اندازہ ہوگا جو ادب وشعر پر گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور کبھی کبھار ان کی جہت تبدیل کر دیتے ہیں۔ہم تین اہم ترین محرکات پہ ضروری باتیں قلم بند کر رہے ہیں

(الف) سیاسی احوال

(ب) اجتماعی اور معاشرتی زندگی

(ج) فکری اور علمی زندگی

سیاسی احوال

عباسی حکومت کا قیام:

عباسیوں نے ایران کے شیعوں کی مدد سے بنوامیہ کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بغداد میں ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء میں اپنی حکومت قائم کر لی، یہ حکومت تقریباً پانچ صدیوں تک قائم رہی، آخر کار بنوامیہ کی حکومت جن اسباب وعوامل کے نتیجے میں زوال سے دوچار ہوئی تھی، انہی جیسے اسباب وعوامل سے دوچار ہو کر عباسی حکومت بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

عباسی حکومت اپنے جد امجد حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے نام پر قائم ہوئی تھی۔

مورخین ادب اس طویل زمانہ کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

اول: عروج وترقی کا زمانہ:۱۳۲ھ سے ۳۳۴ھ مطابق ۷۴۵ء-۹۴۷ء تک۔

دوم: انحطاط (طوائف الملوکی) کا زمانہ ۳۳۴ھ سے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء تک

جبکہ سیاسی نقطہ نظر سے اسے چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

اول: حکومت کے قیام ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء سے سے لے کر متوکل کی خلافت تک ۲۳۲ھ مطابق ۸۵۰ء تک۔

دوم: متوکل کی خلافت سے لے کر آل بویہ ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۶ تک۔

سوم: آل بویہ کے غلبہ واقتدار سے لے کر بغداد میں سلجوقیوں کے داخلہ ۳۳۴-۴۴۷ھ مطابق ۱۰۵۵ء تک

چہارم: بغداد میں سلجوقیوں کے داخلے سے لے کرتا تاریوں کے ہاتھوں عباسی خلافت کے زوال ۴۴۷-۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ءتک۔

کیاان سیاسی انقلابات کے اثرات شعروادب پر پڑے؟:

سیاسی انقلابات کے سب سے زیادہ گہرے اثرات انسان کی معاشرتی ،فکری اوراخلاقی زندگی پر پڑتے ہیں۔لیکن عباسی حکومت کے وسیع اطراف میں ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء کے بعد جو انقلابات رونما ہوتے رہے ان کے اثرات عربی زبان وادب پر زیادہ نہیں پڑے، کیونکہ ایران،شام اور مصر کے جن امرا(گورنروں) نے خودمختاری کا اعلان کر کے خلافت میں انتشار پیدا کیااور اپنی متعدد حکومتیں قائم کرلیں،تو ادب وشاعری کو بغداد کے علاوہ بھی دوسری پناہ گاہیں مل گئیں،جس کی وجہ سے اس سیاسی انتشار کے باوجود شعروشاعری کی ترقی میں کوئی کمی نہیں آئی،اس لئے کہ اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ و بقا کے لئے ان حکام کوشعراوادبا کی ضرورت تھی، بلکہ بڑی حدتک وہ ان شعرا،ادبااور خطبا کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور تھے، چنانچہ ہمیں ہرحکومت کے دربار میں شعروادب کی پذیرائی کرتے ہوئے خلفاوامرانظرآتے ہیں۔احمدحسن زیات کہتے ہیں:

’’چنانچہ شاعری کو بغداد کے علاوہ بھی دوسری پناہ گاہیں اور چراگاہیں مل گئیں،جب شاعری دوسرے مما لک تک پہنچی تو اس کو بنو بویہ اور آل حمدان جیسے اصحابِ جودوسخا،اربابِ بسط وکشاد اور(شاعری کے لئے) زرخیز وشاداب خطوں کے مالک مل گئے۔یوں اس کی جدت، پھیلاؤ اور ترقی میں اضافہ ہوا‘‘(تاریخ الادب العربی ص ۲۵۲)

البتہ عربی زبان وادب اپنے موضوع اور ہئیت کے اعتبار سے دورثانی میں جمود، بدذوقی اور ژولیدہ بیانی کا شکار ہوا(مگراس موضوعِ بحث کاتعلق عصرعباسی کے دورثانی سے ہے)۔

عباسی حکومت اپنی حقیقت کے آئینہ میں:

عباسی حکومت سے پہلے بنوامیہ کی حکمرانی تھی۔ان کا مرکز (راجدھانی) شام تھا،انہیں زبان وادب ،عربی اقدار اورعربی عصبیت کے تحفظ کی بڑی فکرتھی ،ان کی حکومت کی بساط لپیٹ دی گئی اوراس کے کھنڈرات پہ عباسی حکومت قائم ہوئی ،تو اس کے قیام میں ایرانیوں نے بڑھ چڑھ کے حصہ لیا تھا،اس لئے قدرتی طور پر انہیں اپنی قربانیوں کا صلہ ملنا ہی چاہیے تھا ، چنانچہ اُنہیں ملااور حکومت میں ان کا اثر ورسوخ تسلیم کرلیا گیا۔خلافت آل عباس کے لئے وقف تھی ،جبکہ حکومت کے دیگراہم ترین امور؛ یعنی تمدنی ضروریات سے لے کرعسکری اورفوجی قیادت کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے ’وزارت‘ ایرانیوں کے لئے مخصوص تھی۔

عباسی حکومت میں ایرانی تہذیب وثقافت کا یہ اولین اثر دیکھنے کوملا کہ ’’وزارت‘‘ کے نام سے ایک نئے عہدہ کی بنیاد پڑگئی۔عربوں کواس سے پہلے ایسی عظیم الشان شہنشاہیت جوکسری وقیصر کے طرز کی ہو،کا نہ تجربہ تھا۔نہ ہی لفظ وزارت، وزیر اورُ وزرا کے الفاظ مستعمل تھے،مگراپنے بہت سارے حقوق وفرائض کے ساتھ یہ عہدہ اسی عباسی دور میں وجود میں آیا۔

وزیر کے لئے ضروری تھا کہ وہ ادیب کامل ہو،عالم و فاضل ہو،نظم ونسق کی اعلی قابلیت رکھتا ہو،فہم رسا ایسا کہ اشاروں سے پوری بات سمجھ لیتا ہو۔وزیراعظم کے لئے متعدد کاتبوں،منشیوں (سیکریٹریز) کی ضرورت تھی،یہیں سے دیــــوان

الکتابۃ کے نام سے باقاعدہ سیکریٹریت کا وسیع ادارہ قائم ہوا، اس پر بھی تسلط عجمیوں نے ہی جمایا۔

ابتدائی دور کے بارسوخ خلفا:

ابتدائی دور کے عباسی خلفا اتنے طاقتور اور بارسوخ تھے کہ انہیں امر ونہی کا پورا اختیار تھا، تاہم زمانہ گزرتا گیا اور عربوں کا پلڑا ہلکا اور غیر عربوں کا پلڑا جھکتا چلا گیا۔

منصور وہ پہلا خلیفہ تھا جس کے مضبوط ہاتھوں اور فیاضانہ کارناموں سے حکومت کو استحکام اور استقرار حاصل ہوا۔ مہدی کے زمانے میں حکومت کے نفوذ واثرات کا ہر جگہ دور دورہ نظر آیا۔ ہارون رشید کے زمانے میں عباسی تہذیب وتمدن کا جلوہ نمایاں نظر آنے لگا اور حکومت کی طاقت وسطوت کا سکہ رواں ہوگیا۔ معتصم کے زمانے میں ملکی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور واثق اور متوکل کے زمانے میں حکومت ہر میدان میں اقبال وترقی سے سرفراز ہوگئی۔

عباسی حکومت اپنی اصل ومزاج کے اعتبار سے ایک برائے نام اسلامی حکومت تھی، جو ایک طرف تو خاندانی اور موروثی تھی اور عوامی سطح پہ فکری آزادی کے لحاظ جمہوری قدروں سے قریب تر تھی۔

ان حکمرانوں نے ساسانیوں (قدیم ایرانی شہنشاہوں) کے طرز حکمرانی کو اپنایا تھا اور انہی کے انداز تمدن کو اپنے لئے پسند کیا تھا۔ جاحظ نے اس عباسی حکومت کو عجمی اور خراسانی حکومت سے تعبیر کیا ہے (البیان والتبیین ۲/۲۰۶)

احمد حسن زیات کہتے ہیں:

''عباسی حکومت ایرانی رنگ میں رنگ چکی تھی، آخر انہی ایرانیوں نے تو اس حکومت کو قائم کیا تھا اور تقویت بخشی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خلفا نے ان موالیوں (غیر عربوں) کو آزادی دی، انہوں ے کارِحکومت میں حصہ لیا، معاملات میں وہ خود مختار ہوگئے، عربوں کے ساتھ برابری پر اتر آئے نہیں بلکہ شہ زوری دکھانے لگے اور (ایک ہی صدی کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ) ان کی تحقیر وتوہین کرنے لگے۔ عربی عصبیت کا زور کمزور پڑ گیا اور ایرانی قومیت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔'' (تاریخ الادب العربی ص ۲۱۱)۔

عباسی حکومت زوال کی طرف:

معتصم کا زمانہ (۲۱۸ھ مطابق ۸۲۲ء) آیا تو اس نے فوج میں ترکیوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اپنائی اور ان کی خاطر دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ کچھ ہی دنوں میں ان فوجیوں کی شہ زوریاں اور عوامی شکایتیں اتنی بڑھیں، ان ہی کے لئے بغداد سے چالیس کلومیٹر دور سامرا شہر (بطور چھاؤنی کے) بسانا پڑا، جو تھوڑے ہی دنوں میں بغداد کی ٹکر کا شہر بن گیا۔

جب معتصم کے دونوں بیٹوں واثق ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۲ء اور متوکل ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۸ء کا زمانہ آیا تو فوج میں صرف ترکیوں کا دور دورہ تھا۔ ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے خلفائے وقت کے ساتھ کھلواڑ کرنا شروع کردیا، یہ جب چاہتے انہیں تہ تیغ کردیتے، جب چاہتے کرسی خلافت پر لا بٹھاتے، خود متوکل بھی ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ واقعہ ۲۴۷ھ مطابق ۸۶۱ء کا ہے۔ اس کے بعد خلافت کی شان وشوکت اور خلفا کا رعب ودبدبہ ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا۔

جب بنی بویہ نے ترکوں کی جگہ لی تو اگرچہ انہوں نے خلفا کا احترام واکرام ایک حد تک برقرار رکھا، مگر عملاً اُن کے

بیٹھے۔خلفا کا صرف نام باقی چل رہا تھا،ایک کٹھ پتلی یا شو بوائے سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔عملاً اس حد تک بے دست و پا تھے کہ ان کے لئے جو وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا اسی پر انہیں قناعت کرنی پڑتی تھی۔

بنو بویہ کے بعد حکومت کے زوال کا جو سلسلہ شروع ہوا تو پھر یہ بے چاری دکھیاری حکومت سنبھل نہ سکی،ہاں برائے نام ایک ادارے کی حیثیت سے باقی رہ گئی تھی۔

خلاصہ

- بنوامیہ کی حکومت کے زوال کے بعد عباسی حکومت سن ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء میں اپنے جد امجد عباس بن عبدالمطلب کے نام سے قائم ہوئی تھی۔
- بنوامیہ کی راجدھانی دمشق (شام) تھی،جبکہ عباسی حکومت کا پایۂ تخت بغداد (عراق) قرار پایا تھا۔
- عباسی حکومت کے پورے پانچ سو سالہ ادوار میں جو دینی اور سیاسی انقلابات رونما ہوتے رہے،ان کے اثرات عربی زبان وادب پر زیادہ نہیں پڑے،کیونکہ جو حکومت بھی بغداد کی حکومت سے الگ ہو کر قائم ہوتی گئی،وہ بھی زبان و ادب کی خدمت میں گرم جوشی کا مظاہرہ کرتی تھی اور اس کام میں دوسروں سے بازی لے جانا چاہتی تھی۔
- عباسی حکومت کے قیام میں ایران کے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا،اس لئے حکومت و سیاست میں ان کی شراکت تسلیم کی گئی اور وزارت ان کے لئے مخصوص کر دی گئی۔
- عباسی حکومت دین و مذہب کے علاوہ ہر شعبۂ زندگی میں ایرانی رنگ میں رنگ گئی تھی،آگے چل کر یہی چیز عربی عصبیت کی کمزوری اور ایرانی قومیت کی بالادستی کا سبب بن گئی۔
- معتصم اور اس کے دونوں بیٹے واثق اور متوکل کی غلط پالیسیوں کے نتیجہ میں ترکی عناصر کا دور دورہ بڑھتا چلا گیا اور حکومت کی شوکت اور خلفا کا دبدبہ ختم ہو کر رہ گیا۔

سوالات:

۱- عباسی حکومت کا قیام کب اور کہاں ہوا؟اس سے پہلے کون سی حکومت تھی اور یہ حکومت کس صحابی کے نام پر قائم ہوئی تھی؟اور اس کا خاتمہ کب ہوا؟

۲- عباسی حکومت کے ابتدائی دور کی تہذیبی اور تمدنی خدمات پر روشنی ڈالئے؟

۳- کس غیر عربی تہذیب کے اثرات عباسی حکومت پر زیادہ پڑے اور کن کن شعبۂ حیات میں پڑے؟

۴- منصور کون تھا؟اور رشید کے زمانے میں تہذیب وتمدن میں کیا ترقی ہوئی تھی؟

۵- معتصم اور اس کے بعد کے خلفا کے دور میں حکومت میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں؟

اجتماعی اور معاشرتی زندگی

ادب زندگی کا آئینہ ہوتا ہے:

ادب زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے اور زندگی کو آئینہ بھی دکھاتا ہے۔ادب اپنا مواد اور موضوع انسان، کائنات اور زندگی ہی سے لیتا ہے۔اس لئے جس ماحول ومعاشرے کا ادب پڑھنا ہوتا ہے،اس کی معاشرتی وسماجی زندگی کا گہرا علم ہونا ضروری ہے۔اسی سے ہمیں یہ اندازہ ہوگا کہ کسی حدتک ادب اپنے دور سے متاثر ہوا اور کہاں تک اس دور کا آئینہ دکھانے میں کامیاب رہا۔

معاشرتی زندگی کی بنیاد:

معاشرتی زندگی کی ایک اہم بنیاد کسی بھی انسانی معاشرے کی معاشی واقتصادی حالت ہوتی ہے۔جب ہم عصر عباسی کی اقتصادی حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس معاشرے میں خلفا، وزرا، امرا، وابستگان حکومت، دربار خلافت کے خوشہ چینوں اور تاجروں کا طبقہ دولت کی ریل پیل میں پرتعیش زندگی گزارتا ہوا نظر آتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولت آسمان سے برس رہی ہے اور زمین سے ابل رہی ہے۔مگر اس کا بہاؤ صرف معاشرے کے اونچے طبقوں کی طرف ہے، بقیہ عوام کا طبقہ فقر وافلاس کا شکار ہے اور دو وقت کی روٹی کے لئے اس کو سخت جدو جہد کرنی پڑ رہی ہے۔دنیا کے گوشے گوشے سے سونے چاندی سے لدے پھندے اونٹ بغداد میں پہنچ رہے ہیں اور خلفا کے قدموں میں لاکر ڈالے جارہے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے خلیفہ منصور اپنی وفات کے بعد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور ساٹھ کروڑ درہم چھوڑے۔

مہدی کی بیوی خیزران کی غلہ جات کی سالانہ آمدنی ۱۶ کروڑ درہم تھی۔

بصرہ کے گورنر محمد بن سلیمان کی یومیہ آمدنی جو اسے اس کی زمینوں سے حاصل ہوئی تھی وہ ایک لاکھ درہم تھی۔

چونکہ یہ حکومت ایک موروثی شہنشاہیت کے سارے صفات رکھتی تھی،اس لئے املاک، جائدادوں اور بیت المال کے خزانوں کے مالک وقت کے خلفا اوران کا خاندان ہوتا تھا۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں یہ اپنے مفادات،اپنے خاندان والوں اور اپنی گوناگوں ذاتی دلچسپیوں میں دولت کے دریا بہاتے تھے،اسی قدر علوم وفنون کے فروغ،تہذیب وتمدن کی ترقی اور رفاہ عامہ کے جملہ کاموں میں بھی بے دریغ سیم وزر کے خزانے لٹاتے تھے۔

خلیفۂ ہادی نے ایک موقع پر ایک مغنی کو سات لاکھ دینار دیا۔

مامون نے مشہور مغنی اسحاق موصلی کو دس لاکھ درہم دیا،ایک موقع پر اس نے ایک گھنٹے میں چوبیس لاکھ درہم لٹائے۔

زمینیں، جائدادیں،اونٹ، بکریاں بھی اسی فیاضانہ شان سے تقسیم کرتے تھے۔

پرتعیش زندگی کے مظاہر

دولت کے اس بہتے دریا میں جولوگ تیر رہے تھے،ان کا معیار زندگی خیالی حدتک بلند تھا۔

برامکہ کے دربار میں ایک باندی اتنا قیمتی ہار پہن کر آیا کرتی تھی،جس کی قیمت تیس ہزار درہم تھی۔

دولت مندوں کا یہ طبقہ اپنی اجتماعی زندگی کے ہر میدان میں دولت نہیں خرچ کرتا تھا، وہ دولت لٹاتا تھا۔ عالی شان محلوں کی تعمیر، ان کے رکھ رکھاو اور ان کی آرائش وزیبائش، گھروں کے پائیں باغ اور ان میں انواع واقسام کے پھولوں اور پھلوں کے درخت، ان کے کھانے پینے کے اقسام، ان کی دعوتوں میں تیس تیس انواع کی ڈشیں، ولیموں میں دولت کا اسراف، دسترخوانوں پر سونے چاندی کے چمچماتے برتن، ہدایا اور تحائف میں ان کے یہاں سونے چاندی اور دوسرے جواہرات کے مصنوعی پھلوں کے لین دین کا رواج، ان کے قیمتی ملبوسات، ان کی بیگمات کی پرتعیش زندگیاں، ان کی تفریحات اور شکاریات کا شوق، نبیذ نوشی کی محفلوں میں ان کی عیاشیاں دولت کے بل بوتے پر آسمان کی بلندیاں چھورہی تھیں، سال کے مختلف تہواروں اور رسموں میں جس طرح یہ طبقہ اپنی دولت لٹاتا تھا اس نے روم وایران کی قدیم تہذیبوں کے عیش پسندوں کو بھی مات دے دی تھی۔

غلام اور باندیاں:

ان کے معاشرے میں غلاموں اور باندیوں کی ریل پیل تھی۔ ان کے بازار لگتے تھے، مہدی نے ایک باندی ایک لاکھ درہم میں خریدی تھی۔ یہ باندیاں اور یہ غلام مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی موجودگی سے معاشرہ لہو ولعب، غنا و موسیقی، رقص وسرود اور آوارگی اور بے حیائی کی طرف تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید کا شاہی قافلہ پورے تزک واحتشام کے ساتھ عازم سفر تھا، اور اس کے ساتھ چار سو غلام تھے، غلاموں سے زیادہ اس معاشرے میں باندیوں کی کثرت تھی، جو مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے بازار لگتے تھے جو دُوْرُالنخاسة کے نام سے مشہور تھے۔ یہ صرف درباروں کی زینت نہ تھیں، بلکہ یہ ہر گھر میں پائی جاتی تھیں، چونکہ یہ متمدن ملکوں سے آئی تھیں، یا پکڑ کر لائی گئی تھیں، اس لئے یہ ہر نوع کی خدمت کے علاوہ، رقص وسرود، گانے اور موسیقی سیکھنے سکھانے کے کاموں سے بھی جڑی ہوتی تھیں۔

عباسی دور ایک آزاد معاشرہ تھا!

یہ معاشرہ عربی، ایرانی، ترکی، رومی، سندھی اور افریقی عناصر کا مجموعہ تھا۔ ان مختلف عناصر کے مجموعہ سے جو معاشرہ ترکیب پایا تھا، اس کے رہنے والے کو ہر طرح کی ذہنی، فکری اور دینی آزادیاں حاصل تھیں۔ باندیاں جو دربار کی زینت اور خلفا کی خدمت گار ہوتی تھیں۔ وہ بھی اتنی آزاد تھیں کہ مسیحی لڑکیاں دربار میں بھی صلیب لٹکائے پھرا کرتی تھیں۔ اس آزاد فکری سے مختلف نقطہ ہائے نظر کے حامل مجوسیوں، زردشتیوں، ملحدوں، زندیقوں کے افکار وخیالات سے معاشرہ کا متاثر ہونا یقینی تھا۔

مہدی کے زمانے میں تو بہت سے زندیقوں کو سزائیں دی گئیں۔ مہدی کا مشہور قول ہے، ''میں نے زندیقیت پر جو بھی کتاب دیکھی تو اس کی اصل ابن المقفع کو پایا''۔

ڈاکٹر شوقی ضیف تو کہتے ہیں: یہ عناصر گناہوں کے ارتکاب کے لئے بالکل آزاد تھے۔ دین، عرف (رواج) اور اخلاق کی ہر قانونی بندش سے اپنے کو آزاد سمجھتے تھے۔ (تاریخ الأدب العربی، العصر العباسی از شوقی ضیف ۳/۱۷)

مگر ان چند باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پورا معاشرہ انارکیت کا شکار تھا، بے حیائی میں ڈوبا ہوا تھا، یا یہ کہ ہر طرف بد دینی و بداخلاقی کی گرم بازاری تھی۔ زندیقیت ہو، بد دینی ہو، فسق وفجور ہو، شراب وکباب ہو، نغمہ وسرود اور رقص وغنا ہو، کھلم کھلا [illegible]

خلاصہ

- معاشرتی زندگی کی بنیاد معاشرے کی اقتصادی حالت پر ہوتی ہے۔اس تناظر میں عباسی دور کی معاشرتی زندگی یکساں نہیں تھی۔
- خلفا، وزرا اور کسی بھی حیثیت سے حکومت سے وابستگان کی اقتصادی حالت بہت بلند تھی، وہ ہر اعتبار سے داد عیش دے رہے تھے۔عوام میں تاجروں کے علاوہ دوسرے شعبۂ حیات کے لوگوں کی اقتصادی حالت ابتر تھی اور وہ زبوں حالی کا شکار تھے۔
- عباسی معاشرہ ایک آزاد معاشرہ تھا، جو مختلف عناصر اور مختلف قومیتوں سے ترکیب پایا تھا۔معاشرے کی مثبت اور منفی رویہ میں ان عناصر کے اثرات ملے جلے تھے۔
- آزاد خیال لوگوں کی تعداد تھوڑی تھی ،خلفا دینی غیرت رکھتے تھے اور اس کا ثبوت بھی دیتے رہتے تھے،معاشرے کا عام رجحان دین پسندوں کا تھا۔

سوالات:

۱- عباسی حکومت کے پہلے دور کی اجتماعی زندگی پر ایک جامع نوٹ تحریر کریں؟

۲- کہا جاتا ہے کہ اس دور میں دولت کی ریل پیل تھی، اگر ہاں تو اس کا فائدہ کون اٹھا رہا تھا اور کون محروم تھا؟

۳- اس معاشرے میں غلام اور باندیوں کی کثرت کیوں تھی اور معاشرے پر ان کے کیا اثرات پڑ رہے تھے؟

۴- اس دور کے پر تعیش زندگی پر اظہار خیال کریں؟

۵- کیا عباسی دور کا یہ معاشرہ اخلاقی اعتبار سے انارکیت کا شکار تھا؟ آیا یہ بات مخصوص حلقوں تک ہی محدود تھی؟

اکائی فکری اور علمی زندگی

اس فصل میں ہم عصر عباسی کی فکری، ثقافتی اور علمی زندگی پہ اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں گے، کیونکہ اس دور میں علم، فکر اور تہذیب وتمدن کے میدان میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان کے گہرے اثرات اس دور کی ادب وشاعری پر پڑے ہیں، بلکہ شاعری نے تو ان ترقیات کا بڑھ کر گرم جوشی سے استقبال کیا۔

۱- مختلف تہذیبوں کا گہوارہ

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں عباسی حکومت کا رقبہ مشرق میں چین اور ہندوستان کی سرحدوں سے لے کر مغرب میں بحر اٹلانٹک اور جنوب میں بحر ہند سے لے کر شمال میں ترکیہ تک جا پہنچا۔ اس معاشرے میں مختلف رنگ ونسل، مختلف قومیتوں اور مختلف زبان بولنے والے گھل مل گئے تھے، تاہم مذہب کی عینک سے دیکھا جائے تو اس معاشرے میں ایران کے مجوسی، حرّان کے صابئین، جزیرۃ العرب کے اہل کتاب (یہود ونصاری) بودھ مت اور برہمنیت سے متاثر ہونے والے عناصر، زندیق اور ملحدین سب یکجا ہو گئے تھے۔ لیکن دین اسلامی اور عربی ثقافت کو بالادستی حاصل تھی۔ تاہم یہ عجیب وغریب معاشرہ تھا، جس میں مختلف قومیتوں، مختلف افکار وعقائد، مختلف مذاہب اور مختلف مزاجوں اور ذہنیتوں کے لوگ ساتھ ہو گئے تھے۔

اور جب مختلف قومیں ایک طاقت ور نظریہ کی حامل حکومت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں تو ایک شاندار تمدنی نتیجہ کے ظہور کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ پھر اقوام کے اختلاط وامتزاج سے نئی از دو جی زندگی کی راہیں کھلتی ہیں، جس کا پھل نئی نسل کی شکل میں سامنے آتا ہے، جس کے خون میں مختلف قومیتوں کے اوصاف جمع ہو جاتے ہیں اور ان اوصاف کے اثرات شعر و سخن، علم وفن اور سیاست ومعاشرت میں پڑتے ہیں۔

عربی زبان:

مذکورہ بالا مختلف عناصر کو مربوط کرنے والا دین تھا، اس دین کی زبان عربی تھی۔ چنانچہ بصد خلوص اسلام میں داخل ہونے والے اور اس معاشرے میں بود وباش اختیار کرنے والے سبھی عناصر کو عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ قرآن و حدیث کی بھی زبان تھی اور تہذیب وثقافت کی بھی زبان تھی۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ شوق ورغبت کا ثبوت ایرانیوں نے دیا۔ انہوں نے اس زبان میں گہرائی وگیرائی پیدا کی، ان میں ایک طبقہ تو وہ تھا جو اس زبان میں کمال پیدا کر کے دین کے اسرار ورموز سے واقف ہونا چاہتا تھا، ظاہر ہے یہ مخلص دین داروں کا طبقہ تھا، ایک طبقہ ان مولدین کا تھا جو اس زبان میں دسترس حاصل کر کے اعلی عہدوں اور منصبوں پر فائز ہو کر معاشرے میں اپنی حیثیت بنانے کا خواہاں تھا اور یہ کام عربی زبان میں درک وکمال حاصل کئے بغیر ممکن نہ تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے:

☆ عجمی مسلمانوں نے عربی زبان پہ عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث کے سمندر میں غواصی کرنے لگے اور علم وفکر کے موتی چننے لگے۔

☆ عربی زبان سیکھنے، عربیت کے قالب میں ڈھلنے اور اسلامی علوم و معارف میں بے مثال کمالات پیدا کرنے میں ایرانی عنصر پیش پیش رہا۔

☆ اس معاشرے میں خالص اور فصیح عربی زبان ہی اعلیٰ معیار کی علامت رہی۔

عربی زبان کی تدوین:

دوسری صدی ہجری کے اوائل سے ہی عربی زبان کی تدوین اور فروغ کے لئے کوفہ اور بصرہ میں دو دبستان فکر وجود میں آئے۔ بصرہ کے دبستان فکر کی نمائندگی ابوعمرو بن العلاء المتوفی ۱۵۴ مطابق ۷۷۱ء کر رہے تھے۔ جبکہ کوفہ کے دبستان فکر کی نمائندگی حماد الراویہ المتوفی ۱۶۰ھ مطابق ۷۷۷ء کے حصے میں آئی۔ اس دور میں جاہلی دور کے مختلف شعری دواوین کے مجموعے تیار ہوئے۔ عربی قواعد (صرف ونحو) کی طرف توجہ دی گئی اور اس فن کے اصول وضوابط مدون ہوئے۔ زبان کے تحفظ کے لئے معاجم (ڈکشنریوں) کی تدوین کا آغاز ہوا۔ جسے بعد میں اس فن کے ماہر علما نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

علمی تحریک:

اسلام کی انقلابی تحریک کی بنیاد ہی علم ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں علم کا وہ شعلہ بھڑکایا کہ وہ خود بھی منور ہوئے اور دنیا کو بھی منور کیا۔ دراصل قرآن اور پیغمبرانہ جدوجہد نے ان عرب مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر کے نہیں دنیائے انسانیت کی قیادت ورہنمائی کے لئے تیار کیا تھا، اس دور کے مسلمانوں کو اس کا شدت سے احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے اندر علم کی اتھاہ پیاس پیدا ہوگئی تھی، جس سے سیراب ہونے کے لئے وہ شمعِ علم پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

اس دور کی علمی تحریک کو آگے بڑھانے میں مندرجہ ذیل عوامل کارفرما نظر آتے ہیں:

خلفا کا کردار: اس دور کی علمی تحریک کو آگے بڑھانے میں خلفا کا جذبہ وشوق بے مثال تھا۔ وہ علم وحکمت کے حصول اور فروغ کے لئے جی کھول کر دولت لٹاتے تھے، علما، حکما، اطبا کی خدمات ہر ممکن طریقے سے حاصل کرتے، انہیں آسودہ حال اور فارغ البال کر کے ان کو علم کی خدمت کے کام پر مامور کرتے۔

معلمین کا کردار: مکاتیب میں بچوں کو دینی علوم، قرآن، سنن وفرائض، نحو، عروض، اشعار، اور بچیوں کو خصوصیت سے سورہ نور کی تعلیم دی جاتی تھی۔

مساجد کا کردار: بڑی مسجدیں تعلیم وتربیت کی بڑی درسگاہیں تھیں۔ یہاں مختلف علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کے حلقے قائم ہوتے جہاں، وہ لکچر اور عمومی درس کی شکل میں طلبہ میں کمال واختصاص پیدا کرتے تھے۔

مربد کا کردار: مربد (بصرہ میں ایک آزاد تعلیمی ادارہ) میں زبان وادب کے ماہرین، شعرا، خطبا، ادبا جمع ہوتے، شوقین طلبہ یہاں آتے، ان سے استفادہ کرتے۔ جریر وفرزدق کے دوگروہوں میں ادبی معرکہ آرائیوں کا یہی میدان تھا۔

خلفا کے دربار کا کردار: اگر مساجد اعلیٰ تعلیم کے مراکز تھے، تو خلفا کے درباروں کی ایک حیثیت علمی سیمیناروں، مجلس مذاکرہ اور ڈیبیٹ ٹیبل کی بھی تھی۔ یہاں پر ہر فن کے ماہرین کے درمیان علمی مباحثے اور مذاکرے ہوتے۔

مجلس ادیان و مذاہب کا کردار: درباروں کے بعد، مختلف مذاہب کے ماننے والے میٹینگوں کی شکل میں

ایک جگہ جمع ہوتے اور گوناگوں مسائل وموضوعات پہ باہم تبادلہ خیالات اور علمی مباحثے گرم کرتے اور علم کے سوتے ابلتے۔

نقل وترجمہ کا کردار: خلفا نے علمی تحریک کو مالامال کرنے اور اسے بلندیوں تک لے جانے کے لئے بڑی بڑی اکیڈمیاں اور انجمنیں قائم کیں اور اس وقت کی متمدن ومہذب دنیاوں کے سرمایہ کو ہر ممکن طریقے سے حاصل کیا، ان کے ترجمے کرائے، اس عمل سے بغداد کے کتب خانے تراجم سے پٹ گئے اور لوگ ان کے مطالعے پر ٹوٹ پڑے۔

کاغذ کی صنعت: ہارون رشید کے زمانے میں بغداد میں کاغذ کی صنعت قائم ہوئی تو علمی تحریک کی رفتار یکا یک تیز ہوگئی اور گویا اسے چار چاند لگ گیا، اس صنعت کے لگائے جانے سے پہلے باہر کی دنیا سے کاغذ کی آمد کے لئے لمبا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

بیرونی علوم سے خوشہ چینی: عباسی دور میں غیر دینی علوم کی ترقی میں مختلف بیرونی (غیر اسلامی) تہذیبوں، قدیم علوم اور افکار اور روم ویونان کے فلسفوں کے اختلاط کا نتیجہ ہے، ان علوم سے ممکن ہے عربوں کے عقلی معیار میں اضافہ ہوا ہو، لیکن ان کے نقصانات سے وہ اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکے، ان علوم کا سب سے بڑا نقصان تو یہی ہوا کہ ان کا سیدھا سادھا عقیدۂ توحید الٰہیات کے گورکھ دھندوں میں جا پھنسا۔

ایرانی علم وثقافت: عباسی دور کی علمی، فکری اور عقلی ترقی میں ایرانی ثقافت وتہذیب کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ پوری ایرانی قوم مسلمان ہوئی اور عباسی حکومت کے قیام میں ان کی قربانیاں حصہ دار بنیں، تو انہوں نے اپنی ثقافت وتہذیب کا گہرا رنگ چھوڑا، بلکہ منظّم منصوبے کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا، جس کے اثرات معاشرت ومعیشت، ادب وفن اور سیاست و حکومت میں ہر جگہ نمایاں تھے۔

ہندوستانی ثقافت: ہندوستانی فکر وفلسفہ اور ثقافت کے اثرات ایران کے واسطے اور نقل وترجمہ کے حوالے سے بغداد تک پہنچے۔ پھر جندیسابور، حرّان اور اسکندریہ کے اطبا وحکما کی طرح سے عباسی دور میں ہندوستانی اطبا وحکما کو بھی جگہ دی گئی، انہیں اکرام وانعام سے نوازا گیا، عربوں نے ریاضی کی تعلیم انہی اطبائے ہند سے لی تھی، پھر اس میں اتنا کمال پیدا کیا کہ وہ خود دنیا کے استاد بن گئے۔

یونانی ثقافت: اس کے اثرات غلاموں، باندیوں، اصحابِ حرفت (پیشہ وروں) اور مختلف فنون کے ماہروں اور نقل وترجمہ کی راہ سے داخل ہوئے، البتہ فکر ونظر میں اس کے اثرات زیادہ گہرے پڑے۔ کیونکہ یونانی منطق وفلسفہ کے ترجمہ تو ہوئے، مگر یونانی ادب عربی میں منتقل نہیں کئے گئے۔

یہودی اور نصرانی اثرات: یہودیوں کا دل ودماغ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کی آگ سے دہکتا رہا۔ وہ اسلامی معاشرے میں شروع سے رہتے آئے تھے، مگر کبھی ان میں گھلے ملے نہیں، بلکہ ہمیشہ ان کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بنتے رہے۔ جبکہ نصاریٰ ان کے مقابلے میں مسلمانوں سے قریب تر رہے۔ ہجرت حبشہ کے موقع پر تو انہوں نے انسان دوستی کا ثبوت دیا، یوں بھی وہ ہر دور میں اسلامی معاشروں کا حصہ بھی رہے اور گھل مل کر رہتے رہے۔ ان دونوں کے منفی اور مثبت اثرات عباسی دور کی علمی اور فکری تحریکات میں بھی نظر آتے ہیں، ہم بڑے اور حساس عہدوں پر ان کو فائز دیکھتے ہیں۔

فارسی) اور سنسکرت زبان اور فلسفہ ومنطق کی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا۔

ہارون رشید نے 'بیت الحکمۃ' کے نام سے اکیڈیمی قائم کی اور روم کے مفتوحہ علاقوں کے علمی سرمایہ کو منگوا کر ان کے ترجمے کرائے اور ہر قیمت پر علوم ومعارف کے خزانے جمع کر کے بیت الحکمہ کو مالا مال کیا۔

اور تاریخ کی آنکھوں نے دیکھا کہ دینی علوم مثلاً: تفسیر، حدیث، زبان وادب، تصوف، فکر وفلسفہ وغیرہ علوم وفنون سے بغداد کا چپہ چپہ علمی غلغلہ سے گونج رہا تھا۔

ان تراجم کے اثر سے مسلمانوں میں الٰہیات اور مابعد الطبیعی مسائل پر جدل و مناقشہ کے دروازے کھل گئے۔ اسلامی فرقے وجود میں آئے، ان کے وجود میں آنے سے علم کلام کو وسیع جولانگاہ مل گیا، جس میں تگو تاز دکھانے سے ان کا صاف ستھرا علم میلا ہو گیا۔ یہ تو ان مترجم کتابوں کے پڑھنے کا منفی نتیجہ تھا جو سامنے آیا۔ اُن کا مثبت فائدہ یہ ہوا کہ یونانیوں کے طرز استدلال، اسلوب بیان اور انداز پیش کش سے مسلمان فضلا واقف ہوئے۔

ان اسلامی فرقوں میں معتزلہ کا گروہ سب سے زیادہ منظّم ومرتب تھا، انہی کو یہ موقع بھی ملا تھا کہ اپنے فکری اثرات کو بزور بازو نافذ کریں اور عباسی معاشرے کو زیروزبر کر دیں، کیونکہ ایک تو اس جماعت کو طاقتور عباسی خلفا کی پشت پناہی حاصل تھی، دوسری یہ کہ اس جماعت کو علمی فکری اعتبار سے طاقور شخصیتوں کی معتد بہ تعداد حاصل تھی۔

خلاصہ

- مختلف الخیال لوگوں سے ترکیب پائے ہوئے اس عباسی معاشرے میں عربی زبان ہی اُنہیں ایک وحدت میں پرونے کا ذریعہ تھی، پھر اس زبان کے ساتھ معاش کا مسئلہ بھی جڑا ہوا تھا، ترقی کی راہیں بھی اسی زبان کے توسط سے کھلتی تھیں، اس لئے یہ زبان تیزی کے ساتھ پھیلتی اور ترقی کرتی چلی گئی۔
- اسلام نے پہلے ہی دن سے علم کو تمدن کی بنیاد بنا دیا تھا، اس نے حصول علم اور اس کے فروغ کو ایک تحریک بنا کر پیش کیا تھا، اس علمی تحریک کو عباسی دور میں چار چاند لگ گیا، یہاں ہر سطح سے علم کی خدمت کی گئی اور اس وقت کے چھوٹے بڑے مسلمان حصول علم میں ایسے ٹوٹے جیسے پروانے شمع پر نثار ہوتے ہیں۔
- اس دور میں علم کو فروغ دینے اور اس کے چراغ کی لو کو تیز کرنے میں سب سے اہم کردار خلفا، معلمین، مساجد کے حلقۂ درس اور نقل وترجمہ نگاری نے انجام دیا۔
- عباسی دور کی علمی، فکری اور عقلی ترقی میں سب سے بڑا حصہ ایرانی ثقافت کا رہا، اس کے بعد یونانی، رومی اور ہندوستانی ثقافت نے بھی (نقل وترجمہ نگاری کی راہ سے) اپنے اثرات لوگوں کے ذہن ودماغ اور معاشرے میں ثبت کئے۔

سوالات:

۱- اس دور میں عربی زبان کی رفتارِ ترقی اور اس کے پھیلاؤ کے اسباب وعوامل پر اظہار خیال کریں؟

۲- اس معاشرے میں غیر عرب عناصر کے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے پیچھے کیا عوامل ومحرکات تھے؟

۳- عباسی دور میں علمی تحریک کو فروغ دینے میں کن کن چیزوں کا کردار نمایاں رہا؟

۴۔ علمی ترقی کے میدان میں اس دور میں ترجمہ نگاری کے کردار پر روشنی ڈالئے؟

۵۔ بيت الكحمة کس نے قائم کیا تھا اور اس کے اثرات بغداد کی علمی دنیا پر کیا پڑے؟

شاعری: عباسی دور میں

تمہید:

مندرجہ ذیل سطور میں ہم عباسی دور کی شاعری پر روشنی ڈالیں گے، اس سے قاری کو اندازہ ہوگا کہ اسلام سے پہلے جاہلی دور اور اموی دور کی شاعری کے مقابلے میں عباسی دور کی شاعری نے ارتقا کی کیا کیا منزلیں طے کیں۔

گزشتہ صفحات سے معلوم ہوا کہ مختلف قومیتوں، زبانوں اور تہذیبوں کے لوگ ایک دین، ایک حکمراں، ایک زبان اور ایک مرکز میں جمع ہو گئے تھے، جہاں ایک شاندار تمدن اور اعلیٰ تہذیب کا جلوہ نظر آیا، یہ مرکز بغداد تھا جو عباسی حکومت کا پایہ تخت تھا جو تاریخ میں اپنا نقشِ دوام ثبت کر گیا۔

یہاں بغداد میں جو غیر معمولی کارنامے انجام پائے، یہاں کے تمدن میں جو نفاست اور دلآویزی پیدا ہوئی، یہاں کی معاشرتی زندگی کا جو بلند معیار سامنے آیا، اس نے دنیا کے ہر تمدن وتہذیب کو پیچھے چھوڑ دیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب (اسلام) کے علاوہ، یہاں حکومت وسیاست، تہذیب ومعاشرت اور اس کے باشندوں کے رہن سہن کا ہر طریقہ عجمی رنگ میں رنگ گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جن اسباب وعوامل سے دوچار ہو کر بنی امیہ کی حکومت زوال سے دوچار ہوئی، انہی اسباب وعوامل سے دوچار ہو کر عباسی حکومت بھی تاتاریوں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں زوال سے دوچار ہوگئی، نام رہ گیا نشانات مٹ گئے۔

اس دور کی شاعری کس حد تک متاثر ہوئی؟

اس دور کی شاعری اسی متمدن زندگی کی تصویر دکھاتی ہے، بنی امیہ کے دور کی طرح اس نے بھی درباروں سے لے کر مربد کی سرگرمیوں تک ہر شعبۂ زندگی میں اپنا رنگ جمایا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس دور کی شاعری نے نت نئے خیالات اور جدید و نادر معانی وافکار سے اپنے دامن کو مالا مال کیا، مگر یہ خیال صحیح نہیں ہوگا کہ بغداد میں جدید تہذیبی یلغار اور اُس کے بدلتے تیور کے سامنے عربی زبان نے ذلت کے ساتھ اپنا سر جھکا دیا، اس دور کی شاعری اپنے ماحول کے تہذیبی اقدار، تمدنی ترقیات، پرتعیش زندگی، آزادیٔ فکر وعمل اور علوم ومعارف کی گرم بازاریوں سے متاثر ضرور ہوئی، اس کے خیالات میں جدت، اس کے معانی میں بلندی، اس کی فکر میں گہرائی اور گیرائی یقیناً پیدا ہوئی، مگر اس کے طریقۂ ادا، اس کا انداز سخن، اور اس کی ہیئت وشکل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ انسان آسانی کے ساتھ اپنے اقدار وروایت سے دست بردار نہیں ہو پاتا۔

کیا فلسفہ نے شاعری کو متاثر کیا؟

شعرا کا معیار دانش وبینش بڑھا،لیکن یہ معاملہ بڑی حدتک علم ہی تک محدود تھا۔ یونانی ادب کا نہ ترجمہ ہوا، نہ ہی اس دور میں عربوں نے اس کی ضرورت محسوس کی،اس لیے محسوس نہیں کی کہ

- زبان وادب کے معاملے میں عرب شروع سے احساس برتری کے شکار رہے،اس معاملے میں وہ اپنے کو خود کفیل ہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ تنہا اپنے ہی کو دنیا کا سب سے بڑا السّان ،زبان آور اور فصاحت و بلاغت کے میدان کا اپنے کو واحد شہ سوار سمجھتے تھے۔
- عربوں اور یونانیوں کے ذوق میں یکسانیت کا فقدان تھا،ارسطو وغیرہ کی کتابوں کے ترجموں سے عباسی حکومت کے دوراول میں شعرا تقریباً ناواقف ہی تھے۔
- اہل یونان وروم کو ایرانیوں کی طرح سے عباسی معاشرے کا حصّہ بننے کا موقع نہیں ملا تھا۔

ہندوستانی ثقافت کا اثر بھی کچھ زیادہ گہرا نہیں تھا، ریاضی اور علم ہیئت کی چند کتابوں کے ترجمے ضرور ہوئے مگر ان کے اثرات محدود رہے، ہاں قدیم فارسی (پہلوی زبان) سے کلیلہ ودمنہ کے نام سے ہندوستانی ادب کا ترجمہ ہوا اور اسی ترجمے کو بعد میں نظم کے پیرایہ میں بھی ڈھالا گیا،اس کے اثرات ایک حدتک حکمتوں اور امثال کے باب میں قبول کئے گئے۔

لیکن عربوں کا ذوق علم روز افزوں ترقی کرتا جارہا تھا، ادھر ساری مفید اور مشہور کتابیں عربی میں منتقل کرنے کے کام میں پہلے سے زیادہ تیزی آتی جارہی تھی ، ہندی ادب کی بہترین کتابیں جو فارسی میں منتقل ہوچکی تھیں، باہمی میل جول سے بہت سے ہندی الفاظ عربی زبان میں استعمال ہونے لگے تھے،خاص طور سے پھلوں، پھولوں درختوں اور دواؤں اور جانوروں کے نام۔شطرنج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کھیل خالص ہندوستانی دماغ کی اپج ہے، جو ایران کے راستے عربوں میں متعارف ہوا اور دربار خلافت کی زینت بنا۔

ایرانی ادب نے عربی ادب کو خاصا متاثر کیا:

عربی ادب پر سب سے زیادہ گہرا رنگ ایرانی ادب نے جمایا۔ چوں کہ ایرانی تمدن وتہذیب نے عباسی معاشرے کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا،اس لیے عربی زبان وادب پر بھی ان کا اثر گہرا تھا۔مگر یہ اثر اسی حدتک تھا جس حدتک تمدنی زندگی کا تقاضا تھا، دوسرے لفظوں میں یہ کہنا بجا ہوگا،اس کے اثر سے فکر ومعنی میں پختگی آئی،اسلوب میں لطافت ونزاکت اور زبان میں شستگی اور شگفتگی پیدا ہوئی۔

ایرانی ادب کے اثر سے اس دور کی شاعری میں لہوولعب، اخلاق باختگی اور فحش گوئی، بادہ نوشی،محفل شراب کی منظر نگاری، زہد،تصوف اور غزلِ مذکر (امرد پرستی) جیسے ناشائستہ موضوعات کا چلن ہوا۔مگر ان موضوعات میں بھی ایرانی ادب کے اثر سے جو آب ورنگ پیدا ہوا وہ اس سے پہلے اموی اور جاہلی دور کی شاعری میں مفقود نظر آتا ہے،مثال کے طور پر شعرائے جاہلیت کے کلام میں انگور کی بیٹی اور شرابِ عشق ومستی دونوں کا خوب ذکر ہے۔مگر ابونواس، بشار بن برد،اور صریع الغوانی وغیرہ کے یہاں جو رنگ تغزل،معنی کی گہرائی اور لطافت بیان ہے وہ امراء القیس ،طرفہ،اعشی اور عدی بن زید العبادی کے یہاں کہاں؟

یہ ایرانی ادب کا اچھالا ہوا رنگ ہے، جو اس دور کی شاعری کے چہرے پر غازہ بن کر ابھرا،اظہارِ خیال میں نزاکت وحلاوت بڑھی،اسلوب بیان میں سادگی وپرکاری اور الفاظ کے انتخاب میں شستگی اور سہولت پسندی کا حسن نکھرا۔اُدھر فکر میں بلندی

اور خیال میں نیرنگی نے اپنا جلوہ دکھایا۔

باکمال ایرانی ہستیاں

ان ایرانیوں میں ایسے باکمال لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے عربی اور فارسی دونوں ثقافتوں سے خاطر خواہ حصّہ پایا تھا، ان کی فطری صلاحیتوں نے عربی زبان میں وہ ادب تخلیق کیا، جس میں ایرانیوں کی فکری بلندی اور عربوں کی بلاغت وفصاحت کا حسین امتزاج تھا۔

عباسی دور کے شعرا کو تہذیب وتمدن کے گلستاں وبوستاں میں جی بھر کر من بھاتا پھولوں سے اپنے مشام جاں کو معطر کرنے کے مواقع ملے، جن شعرا کے مزاج میں آوارگی تھی، اس کی تسکین کا سامان اس معاشرے میں ہر جا موجود تھا؛ یہ مہکتے ہوئے پھولوں کا چمن، عالی شان محلوں کا مدوّر (گول) شہر، یہ ہر سو دلکش مناظر، یہ عیش وعشرت میں ڈوبے بدمستوں کی مجلسیں، یہ جام ومینا اور عیش وطرب کی محفلیں، جگہ جگہ مصنوعی حوض اور مصنوعی نہروں سے گرتا ہوا چاندی نما شفاف پانی اور ان حوضوں کی سطح پر جھلملاتا ہوا ایک دوسرا آسمان، یہ مصنوعی درخت اور ان پر سونے چاندی کے لٹکتے پھل، اور ان کی ڈالیوں پر چہچہاتے پرندے، یہ سنگ مرمر کے تراشے ہوئے شیروں کی شاہکار تصویریں اور ان کے منہ سے نکلتے ہوئے پانی کے فوارے، یہ غلمان اور باندیوں سے پٹے ہوئے بازار کی رونقیں، یہ ساری چیزیں شعرا کے ذوق شعری کو ابھارتے اور سخن وری کے جذبے کو اکساتے تھے، چنانچہ وہ اپنے فنی کمالات کے جوہر دکھا رہے تھے اور اہل ذوق دیکھ بھی رہے تھے اور گوش برآواز بھی تھے۔

خلاصہ

- بغداد جیسے مرکزی جگہ میں مختلف قومیتوں اور تہذیبوں کے لوگوں کے جمع ہو جانے سے ایک شاندار تمدن اور اعلی درجے کی تہذیب کے جلوہ گر ہونے میں بہت مدد ملی۔
- اس دور کی شاعری سے پورے طور پر تمدنی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ خیالات میں جدت، معانی میں بلندی، فکر میں گہرائی صاف دکھائی دیتی ہے، البتہ ہئیت اور شکل میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عرب شروع سے اپنی زبان وادب کے معاملے میں احساس برتری کے شکار رہے ہیں۔
- اس دور کی شاعری میں بے حیائی اور بداخلاقی کے جو بھی مظاہر سامنے آئے اس میں ایرانی آب ورنگ کا حصہ غالب ہے اور ایرانی نژاد شعرا کا رنگ بہت نمایاں ہے۔

اکائی المُوَلَّدُون

مُوَلدین یا مُحْدَثین سے مراد:

مُولدین یا محدثین ان شعرا کو کہتے ہیں جو عربی باپ اور غیر عربی ماں (یا اس کے برعکس) کی گود میں پیدا ہوئے، جو عصر عباسی کے ماحول و معاشرے میں رہے، اس دور کی تہذیب وثقافت سے متاثر ہوئے، جن کا فطری ولسانی ملکہ سابق شعرا کے معیار پر باقی نہ رہ سکا، تو انہوں نے اسی کمی کا تدارک نئے نئے موضوعات، نازک الفاظ اور حسنِ صنعت سے کیا۔ یہ اگر چہ اپنے پیش رو شعرا سے عربیت میں کم تر ہیں، تاہم معانی کی جدت، فکر کی رفعت اور تصنع وتکلف میں ان سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، ان کے ادب کو "الأدب المُوَلَّد" اور "الأدب المُحْدَث" کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں تا کہ دور جاہلی اور بنی امیہ کے دور کے ادب اور ان کے ادب کے درمیان فرق قائم رہے، پھر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق شعرا کے مقابلے میں ان کا ادب 'جدید ادب' ہے۔

ان کی خوبیاں اور خامیاں:

ان مولدین شعرا کے یہاں خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں اور خامیاں بھی، ہم دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں:

- ان کی خوبیاں:

۱۔ انھوں نے اپنے سے پیش رو شعرا سے کلی طور پر انحراف نہیں کیا، بلکہ ان کے روایتی موضوعات پر بھی اظہارِ شعر وسخن کیا اور ان کے حسن و جمال اور بلند شاعرانہ اقدار میں اضافے کیے۔

۲۔ انھوں نے شاعری کو نئے نئے معانی دیئے، جن سے قدیم شعرا کا دامن خالی نظر آتا ہے۔

۳۔ جدید تہذیبی زندگی کے اثر سے انھوں نے کلام کو شیریں، سہل، شستہ بنا کر پیش کیا جو دل میں اتر جانے والا ہوتا۔

۴۔ نئی انقلابی زندگی کے اثر سے ان کے فکری افق میں وسعت پیدا ہوئی، تو انہوں نے شاعری کو نئی تہذیب اور جدید معاشرے کے تناظر میں نئے نئے موضوعات دیئے اور گونا گوں اصناف سخن سے مالا مال کیا۔

۵۔ انھوں نے اپنے خیال کی طاقت سے ایسی انوکھی منظر نگاری کی، جس میں جادو کا سا اثر ہوتا اور سننے والے کے دلوں میں کھب جاتا۔

۶۔ انھوں نے قصیدے کے آغاز اور اس کے اختتام میں اپنی جدید طبع اور فکری رسائی کا ثبوت دیا

۷۔ عربی شاعری میں فلسفہ کا اثر دھیرے دھیرے آیا اور جب کسی کے یہاں آیا تو فلسفہ کے اثر سے شاعری میں فکر ونظر کی گہرائی کی جھلک نمایاں ہوئی۔(جیسے ابوتمام، متنبّی اور ابولعلا المعرّی وغیرہ)

۸۔ اس دور کے شعرا نے جاہلی دور کے شعرا کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا کہ معانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے، انہوں نے تو معانی کی نئی نئی دنیائیں پیدا کیں اور کائنات کے نئے نئے معانی کو اجاگر کیا۔

۹۔ اسی دور کے شعرا عشق ومحبت کے محدود تصور سے بہت آگے نکل کر دنیائے محبت کی وسعت و بے کرانی کے نئے نئے جلوے دکھائے، فلسفہ کی آمیزش سے تغزل کا انداز بھی بدلا۔

خامیاں جو کبھی کبھار ان کی شاعری میں راہ پا جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں

- ان کی خامیاں

۱۔ یہ شعرا زبان کے معاملے میں قواعد کی غلطی (لحن) کر جاتے ہیں، کبھی اپنے کلام کو سادہ سہل بنانے کی فکر میں اپنے معیار سے گر کر بازاری سطح تک اتر آتے ہیں۔

۲۔ ان کے معانی میں ابہام اور تضاد دَر آتا ہے، کبھی ایسے اشارے اور کنایے سے کام لیتے ہیں جسے عربی ذوق قبول نہیں کر پاتا۔

۳۔ ان میں بعض شعرا صنعت وتکلف، اور بدیع وجناس کے دل دادہ نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے فکر ومواد تباہ ہو کر جھوٹ کی غمازی کرنے لگتا ہے (یعنی أكذبُ الحديث أحلاه کا غیر منطقی نظریہ کا عکس نظر آنے لگتا ہے)۔

۴۔ عربی الفاظ کی خصوصیات سے نابلد اور عربیت میں بصیرت کی کمی کی وجہ سے ان کے اسلوب میں کمزوری اور ژولیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ ایک بڑی خرابی ان کی شاعری میں یہ پیدا ہوئی کہ غزل میں امرد پرستی کو رواج دیا گیا۔ ابونواس جیسے فحش نگار شاعر کے یہاں غزل بالمذکر میں جس فنی کمال کا اظہار ہوا ہے، غزل بالمونث میں وہ بات نہیں ہے، اس قماش کے شعرا شعوبی تحریک سے وابستہ، مانوی، زردشتی اور پارسی خیالات کے علمبردار اور ملحد وزندیق قسم کے لوگ تھے، اگرچہ انہوں نے شاعری کو جلا بخشی مگر انسانی اقدار کو پامال وداغ دار کر گئے۔

خلاصہ

- عربی باپ اور غیر عربی ماں کے بطن سے جو لوگ پیدا ہوئے اور جنہوں نے عربی اور ایرانی ثقافت سے خوشہ چینی کی، وہ شعرا مولّدون اور ان کا ادب ادب مولّد کہلاتا ہے، کیونکہ ان کا ادب اپنے سابق شعرا کے مقابلے میں نیا ادب ہے۔
- مولدین شعرا کے یہاں خوبیاں زیادہ اور خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

ان کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو نئے معانی دئے، اسلوب کو سہل، شستہ اور شیریں بنایا۔ منظر نگاری میں کمال دکھایا اور فکر وفلسفہ کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔

ان کی خامی یہ ہے کہ زبان کا معیار سابق شعرا کی طرح چست اور مستحکم نہیں ہے، اگر زبان کا معیار گر جاتا ہے تو اس کی بھرپائی یہ لوگ صنعت اور بدیع سے کرتے نظر آتے ہیں۔

اکائی شعروشاعری سے خلفا کی دلچسپی

عباسی حکومت کے ابتدائی سوسال تک عباسی خلفا کا دبدبہ قائم تھا، ان کی رگوں میں عربیت کا خون دوڑ رہا تھا، ان کی صلاحیتیں ٹھوس ہوتی تھیں، جس عربی شاعری میں ان کے قدیم مجدوشرف کے گیت گائے گئے تھے، اس سے انہیں طبعی لگاؤ اور قلبی محبت تھی، اسے پڑھتے، سنتے، اس کی بلاغت اور سحرانگیزی پر سر دھنتے، دل کو چھوتی ہوئی شاعری سیدھے ان کے ذوق آشنا دل میں اتر جاتی۔ جب ممدوح کی حیثیت سے کوئی شاعر ان کی تعریف اور ستائش کرتا تو ان پر ایک نشہ سا چڑھ جاتا، وہ داد ودہش کے دروازے کھول دیتے، یا محظوظ کرنے والے کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کردیتے۔

شعرا کی انتھک کوشش یہ ہوتی کہ خلیفہ کے دربار تک کسی صورت رسائی حاصل ہوجائے، اگر رسائی حاصل ہوجاتی اور شاعر کا کلام پسند کرلیا جاتا، تو گویا اسی وقت اُس کی قسمت کا ستارہ طلوع ہوگیا۔ اس باب میں شعرا کے مالا مال ہونے کے ایسے ایسے واقعات ہیں کہ کبھی کبھی خیالی معلوم ہوتے ہیں۔

خلفا کو صرف دوسروں کے کلام سننے، سر دھننے، ستائش کا جواب خوش باشی اور مال ومنال سے دینے میں ہی دلچسپی نہ تھی، بلکہ سخن فہمی کے ساتھ ساتھ ان کا شعری ذوق میں بھی اعلی وارفع تھا، بسا اوقات وہ شعرا کے کلام پر موزوں تنقید کرتے تھے، کیوں کہ وہ کلام کے لطیف اشارات کو سمجھتے تھے۔

مشہور شاعر جریر نے اپنے نقائض پر مشتمل قصیدے میں اموی خلیفہ عبدالملک سے اپنے تعلق پہ فخر جتلاتے ہوئے جو اشعار کہے، اس کا ایک شعر اس طرح تھا:

هذا ابنُ عَمِّی فی دِمشقَ خلیفةٌ

لو شئتُ لساقکم الیّ قطینا

یہ میرا چچازاد بھائی دمشق میں خلیفہ ہے، اگر میں چاہوں تو (میرا وہ بھائی اے فرزدق! تم کو اور تمہارے لوگوں کو) وہ تم کو ہمارے پاس خادم بنا کر ہانک لائے۔

عبدالملک نے یہ شعر سنا تو تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اس نے تو مجھے پولیس والا بنادیا، اگر وہ لو شئت لساقکم إلی قطینا کہنے کے بجائے کہتا: لو شاء لسقتُ الیهم جمیعا (اگر خلیفہ چاہے تو میں ان سبھوں کو ہانک کرلے آؤں) تو زیادہ بلیغ کلام ہوتا۔

منصور کا بیٹا جعفر باپ کی آنکھوں کے سامنے فوت ہوگیا، تو منصور بہت زیادہ دل گرفتہ ہوا، اسے کسی پل صبر نہ آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اگر اسے کچھ تسلی ملی تو ابوذویب کے قصیدے سے ملی جو اس نے اپنے بیٹے کے

مرثیہ میں کہا تھا، جو طاعون کی بیماری میں فوت ہوا تھا۔قصیدے کا مطلع تھا:

أمِنَ الْمُنُونِ ورَيْبِهَا تَتَوَجَّعُ

والدهرُ ليس بِمُعْتِبٍ مَن يَّجْزَعُ

کیا تم موت اور اس کے حادثات سے تکلیف محسوس کرتے ہو، حالانکہ زمانہ جزع فزع کرنے والے کی ناراضگی دور کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔

منصور نے اپنے خادم ربیع سے مطالبہ کیا کہ گھر کا کوئی آدمی اس قصیدے کو پڑھ کر سنائے، مگر گھر میں کوئی ایسا نہ ملا جسے یہ قصیدہ یاد ہو، جب منصور کو اس کا علم ہوا تو اس کا غم دوبالا ہو گیا۔اب خادم کو تلاش میں بھیجا گیا کہ کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈھ کر لایا جائے، جسے یہ قصیدہ یاد ہو، ربیع ایک تعلیم یافتہ عرب کو ساتھ لے کر منصور کی خدمت میں آیا، اس نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا، منصور نے قصیدے کے مطلع کو سو مرتبہ پڑھوایا اور سنتا رہا، جب وہ آخری شعر کے اس مصرعے تک پہنچا" والدهر لا يبقى على حدثانه" ، تو اس نے پھر اس مصرعہ کو سو مرتبہ پڑھوایا۔ پڑھنے والا دہراتا جاتا تھا اور منصور کہتا جاتا تھا'' أبوذوئب کو یہاں صبر آ گیا "سلا أبو ذوئيب عند هذا القول" (ابوذویب کو اس بات سے تسلی حاصل ہوگئی)

ہارون رشید کو سب سے زیادہ شعر وشاعری سے دلچسپی تھی، ایک مرتبہ اس نے حاضرین سے کسی شاعر کے اس شعر کا مطلب پوچھا:

قَتَلُوا ابْنَ عفّان الخليفةَ مُحرَّما

ودعا فلم أرَ مِثلَهُ مَخذُولَا

لوگوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو حرام (ظالمانہ) طریقے سے قتل کر دیا، انہوں نے مدد کے لئے پکارا، مگر میں نے ان جیسا بے بس اور بے یار و مددگار مقتول (شہید) نہیں دیکھا۔

تو اصمعی اور کسائی الجھ گئے، آخر کار ہارون کی فیصلہ کن رائے سے بحث ومباحثہ ختم ہوا۔

رشید کی داد و دہش تو مثالی تھی ہی:

ایک مرتبہ فضل بن عبدالصمد رِقاشی کو بھیڑیئے پر ایک عمدہ شعر سنانے پر رشید نے ۱۶/سو دینار کی قیمت کی انگوٹھی عطا کر دی۔ یہ شخص برامکہ کے دربار سے وابستہ تھا، جب برامکہ ہارون رشید کے عتاب کا شکار ہوئے، تب بھی وہ انہی کا وفادار بنا رہا، ایک ملاقات میں ہارون رشید نے پوچھا برامکہ کے یہاں سے تمہیں سالانہ کتنا وظیفہ ملتا تھا؟ اس نے کہا: ہزار درہم، رشید نے اس کے لیے دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔

ابراہیم بن مہدی غصہ سے بھرا مامون کی خدمت میں حاضر ہوا، مامون نے پوچھا کیا ہوا؟ ابراہیم نے کہا دعبل نے میری شان میں گستاخی اور بدتمیزی کی ہے، مامون نے کہا: تمہارے لیے میری شان میں گستاخی کرنے والے کے قول اور میرے طرزِ عمل میں نمونہ ہے، وہ قول یہ ہے:

أيَسومُنِي المامونُ خُطَّةَ عاجِز

أو ما يرى بالأمس رأسَ محمدِ

إني من القوم، الذين سيوفُهم قتلتْ أخاك، وشرَّفتْك بمقعد

کیا مامون مجھے ذلیل وعاجز شخص کا سامزا چکھائے گا؟ کیا اس نے کل محمد (امین) کا سر نہیں دیکھا؟

میں اسی قوم کا فرد ہوں جن کی تلواروں نے تمہارے بھائی کو قتل کیا ہے اور تم کو بیٹھ رہنے کا اعزاز بخشا۔

کسی بادشاہ کے دربار میں شعرا کی آمد ورفت کی وہ کثرت کبھی نظر نہیں آئی جو رشید اور مامون کے دربار میں دیکھی گئی، ہاں اس کی کچھ نظیر دیکھی جاسکتی ہے، تو وہ سیف الدولہ اور صاحب بن عباد ہو سکتے ہیں۔

لیکن جب کبھی شعروشاعری سے دلچسپی رکھنے والوں، عطاوبخشش کی بارش کرنے والوں، شاعری کے مقام ومرتبے کو پہچاننے والوں، کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز کرنے والوں، کلام کے حسن وقبح کو پرکھنے اور شاعری کو زندہ وپائندہ رکھنے والوں کا ذکر خیر ہوگا تو برامکہ، آل سہل اور آل طاہر کو بھی ضرور یاد رکھا جائے گا۔

شاعری کی اہمیت:

شعرا کا مقام ومرتبہ درباروں میں: شاعری کی اس قدر ومنزلت نے شعرا کو خلفا کا ہم نشیں اور ہم پیالہ وہم نوالہ بنادیا، یہ درباروں کی شبانہ مجلسوں اور مئے نوشی کی محفلوں میں حاضر رہتے، خوش گپیاں کرتے اور خلفا کے لیے تفریح طبع کا سامان کرتے۔ ان میں بعضوں کی ناز برداریاں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ وہ عطاوبخشش کے معاملے میں دخل دیتے اور اپنی منشا کی تکمیل کرواتے، جہاں عام درباریوں کو سفارشات کی ہمت نہ ہوتی، وہاں یہ شعرا سفارشیں کرتے، قیدیوں کو آزادی دلاتے، جاں بخشی کراتے اور بادشاہ اور مشیر کار کے معاملات تک میں دخل دیتے اور اپنی آرا سے آگاہ کرتے۔

معاشرتی سطح پر شاعری کا عام ذوق: اس دور میں معاشرتی سطح پر شاعری سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ شعروسخن کی محفلوں کے علاوہ لوگ اپنے ذوق شعری اور لطیف جذبات کا اظہار مختلف استعمال کی چیزوں پر اشعار کو لکھوا کر کرتے، وہ اپنے لباسوں، قمیص کے دامنوں، چادروں کے حاشیوں، آستینوں اور رومالوں پر عمدہ اشعار لکھواتے۔

عورتیں اپنی پیشانی بند، پائنچوں، رومالوں، بیڈشیٹوں، تکیوں، پردوں اور دیواروں پر موزوں اشعار تحریر کرواتیں، عموماً بیٹھک کی جگہوں اور وہاں کے سامانوں، جلسہ گاہوں، غلافوں، گدوں، سونے چاندی اور چینی کے برتنوں اور آلاتِ موسیقی پر برمحل اشعار رقم کرواتیں۔ فیشن اور زیب وزینت کے سامانوں پر عاشقانہ اشعار لکھواتیں۔ باندیاں اپنی رخساروں اور پیشانیوں پر مشک وزعفران اور سنہرے رنگ سے عاشقانہ اور دلبرانہ اشعار رثبت کرواتیں، ایسا محسوس ہوتا گویا اس معاشرے میں جگہ جگہ اشعار کی پھلواریاں اُگ آئی ہیں اور ان کی لطیف خوشبو اور بھینی بھینی مہک سے پوری انسانی آبادی معطر ہے۔

مختلف رجحانات کے شعرا: اس دور میں جب اسلامی اور عربی تہذیب وتمدن ہر زاویہ سے ترقی کے اوجِ ثریا پر پہنچ چکا تھا، ہمیں مختلف رجحانات اور مختلف خیالات کے شعرا نظر آتے ہیں۔ کسی کے یہاں سیاسی رنگ غالب ہے، مثلاً مروان بن ابی حفصہ اور ابوتمام جن کو عباسیوں سے خصوصی لگاؤ تھا، جب کہ دعبل تشیّع کی طرف میلان رکھتا تھا۔

کچھ دوسرے شعراء تھے جن پر معاشرتی اور سماجی رجحان کا غلبہ تھا، جیسے شراب وکباب اور عیش ومستی کا شاعر ابونواس، وصف نگاری اور ہجوگوئی کا قادرالکلام شاعر ابن رومی، معاشرے کا شاعر البحتری۔ بعض ایسے شعرا بھی تھے جن کی شہرت فن صنعت کی وجہ سے تھی۔

دوراوّل کے شعرا:

اس دوراوّل کے شعرا کومختلف طبقوں (گروہوں) میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا طبقہ: اس میں عصر عباسی کے ان شعرا کو شامل کیا گیا ہے، جنھوں نے بنی امیہ اور عباسی دور، دونوں کا زمانہ پایا اور دونوں زمانوں کو برتا، مثلاً ابودلامہ (المتوفی ۱۶۱ھ-مطابق ۷۷۷ء)، حسین بن مطیر اسدی (۱۶۹ھ-مطابق ۷۸۵ء)، سدیف بن میمون (۱۴۹ھ-مطابق ۷۶۶ء)، بشار (۱۶۷ھ-مطابق ۷۸۲ء)، مطیع بن ایاس (۱۶۹ھ-مطابق ۱۶۹ء) وغیرہ۔

دوسرا طبقہ: یہ مولدین یا محدثین کا طبقہ ہے، جنھوں نے عباسی حکومت کا دوراوّل دیکھا، ان میں سرفہرست ابونواس (۱۹۸ھ-مطابق ۸۱۳ء)، والبہ (۱۷۰ھ- مطابق ۷۸۶ء)، عباس بن الاحنف (۱۹۲ھ-مطابق ۸۰۸ء)، ابوالعتاہیہ (۲۱۱ھ-مطابق ۸۲۶ء)، دعبل (۲۴۶ھ-مطابق ۸۶۰ء)، سلم الخاسر (۱۸۶ھ-مطابق ۸۰۲ء) وغیرہ ہیں۔

تیسرا طبقہ: ابوتمام (۲۳۲ھ- ۸۴۶ء)، البحتری (۲۸۴ھ- مطابق ۸۹۷ء)، ابن الرومی (۲۸۳ھ-مطابق ۸۹۶ء)، ابن المعتز (۲۹۶ھ-مطابق ۹۰۸ء)، سب سے زیادہ اسی طبقے کو شہرت ومقبولیت حاصل رہی۔

لفظ ومعنی

عربی زبان وادب کے وسیع سرمایہ کے مطالعہ سے دو رجحانات سامنے آتے ہیں اور ادبی تخلیقات کے حوالے سے دو ہی گروہوں کا پتہ چلتا ہے، جن میں کبھی انقطاع نہیں ہوا ہے۔

- ایک گروہ تو وہ ہے جو اپنے شاعرانہ عمل میں اصلاح وتنقیح کرتا ہے۔ یہ گروہ خوش نما الفاظ اور جملوں کی تراش خراش پہ زیادہ زور دیتا ہے۔
- دوسرا گروہ وہ ہے جو فطری شاعرانہ صلاحیت پر انحصار کرتا ہے اور الفاظ کی بازیگری اور جملوں کی تحسین وتنقیح کے عمل میں دماغ سوزی نہیں کرتا، نہ ہی تکلف وتصنع سے کام لیتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک معانی پیش نظر ہوتے ہیں اور انہی پر توجہ مرکوز ہوتی ہے۔

جاہلی دور کے شعرا میں حجر بن اوس، زہیر بن ابی سُلمٰی، نابغہ ذبیانی، اوّل گروہ کے شعرا میں آتے ہیں، جب کہ طرفہ، عنترہ، خنسا اور عمرو بن کلثوم دوسرے گروہ میں شامل کیے جاتے ہیں۔

بنی امیہ کے دور میں دیکھیں تو اخطل کو پہلے گروہ میں اور عمر بن ربیعہ دوسرے گروہ میں پائیں گے۔

بغدادی رجحان:

عباسی دور کے شعرا پر نظر ڈالئے بشار بن برد، ابونواس، ابن الرومی اور بغداد کے اکثر شعرا کے یہاں معنی کو ترجیح دینے کا رجحان نظر آئے گا، ان کا طرز سخن اور ان کا شاعرانہ رجحان 'بغدادی مسلک' کے نام سے متعارف ہوا۔

شامی رجحان:

لیکن عام طور سے شام کے شعرا کو دیکھیں گے کہ وہ لفظ کے دروبست کو سنوارتے ہوئے نظر آئیں گے، یہ شعرا الفاظ کی شان وشوکت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، عبارت آرائی اور صنعت لفظی ان کے مزاج پر حاوی رہتا ہے۔ ان میں ابوتمام، بحتری، متنبّی، ابوفراس حمدانی اور ابوالعلا معری وغیرہ ہیں۔ اگر چہ بعد میں شام سے نقل مکانی کر کے یہ بغداد آئے، لیکن بنیادی طور پر ان کی شاعرانہ نشو ونما شام ہی میں ہوئی۔

ان کا رجحان 'شامی مدرسۂ فکر' کے نام سے متعارف ہوا۔

شامی رجحان کی چند خصوصیات:

شامی شعرا کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو انہیں بغداد کے شعرا سے ممیّز کرتی ہیں:

۱۔ ان کی شاعری میں متانت اور سنجیدگی کا رچاؤ ہوتا ہے۔

۲۔ روایتی موضوعات، جیسے؛ غزل میں نسیب وتشبیب کے موضوع پہ شعر کہنا ان کو پسند ہے۔

۳۔ ان کا میلان فخر وحماسہ اور عصبیت پر مبنی شاعری کی سمت زیادہ ہوتا ہے۔

۴۔ معانی میں گہرائی، پرشکوہ اور نامانوس (غریب) الفاظ کے استعمال کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔

۵۔ تشبیہات واستعارات کا استعمال اور موضوع وہیئت میں کسی قدر صنعت گری پائی جاتی ہے۔

۶۔ عموماً شامی رجحان میں روایت پسندی اور قصیدہ گوئی کا طرز نمایاں ہے۔

خلاصہ

- ابتدائی دور کے خلفا کو اپنی کلاسیکی عربی شاعری سے طبعی لگاؤ تھا، وہ کلام کی بلاغت اور سحر انگیزی سے خاصے محظوظ ہوتے تھے، یہ خلفا سخن فہمی اور اعلی شعری ذوق کے حامل تھے۔
- خلفا کے شعری ذوق ہی کی بات تھی کہ وہ شعروادب اور علم معرفت کے فروغ کے لئے کوشاں رہتے، شعرا و علما کی قدر دانی کرتے اور جی کھول کر ان کو مالی تعاون دیتے۔ یہ شعرا اُن کا ہم پیالہ وہم نوالہ بنے رہتے اور ان کے لئے تفریح طبع کا سامان کرتے۔
- سماجی اور عوامی سطح پر ہر جگہ شعروشاعری کا عام چلن تھا اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔
- ہر زمانہ میں شعروادب میں دو طرح کے رجحانات کے حامل ادبا وشعرا رہے ہیں:

اول: وہ شعرا جو اپنے شاعرانہ عمل میں الفاظ اور جملوں کی تراش خراش اور اصلاح کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

دوم: وہ شعرا جو معانی کی طرف توجہ دیتے ہیں اور فطری شاعرانہ صلاحیت پر انحصار کرتے ہیں۔

اس دور کی شاعری پہ پڑنے والے اثرات

تمہید:

عباسی دورِ حکمرانی میں مختلف قومیتوں اور تہذیبی عناصر کے مجموعہ نے ایک شان دار تمدن، تہذیب اور معاشرت کو جنم دیا تھا، اسی معاشرے میں اتنے ڈھیر سارے عوامل ومحرکات یکجا ہو گئے تھے کہ اپنے اصل وجوہر کے اعتبار سے جدید راہ ورسم کی شاعری کی تخلیق ہونی چاہیے تھی۔ وہاں مختلف خصوصیات، مختلف عقائد وتصورات اور مختلف تہذیبوں اور علوم وآداب کا امتزاج تھا، یہ ساری باتیں اور یہ سارے عوامل ایک جدید ادب اور نئے رنگ وآہنگ کی شاعری کو ڈھال سکتے تھے.....مگر ایسا نہیں ہوا، کیوں؟

اس لئے کہ عرب فطری طور پر طاقت ور شخصیت کے مالک تھے، حقیقت پسندی ان کی فطرت میں ایسی رچی بسی تھی کہ آسانی کے ساتھ تخیل کی دنیا میں انہیں گھسیٹ لانا آسان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری اپنے فطری بہاؤ کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔

ان کی شاعری عربی اقدار، حکام (خلفا) کی نفسیات، ان کی سخن فہمی، ان کا ذوق شعری اور اس راہ میں ان کی مالی دادودہش نے روایتی عربی شاعری کو اپنی جگہ سے کھسکنے نہیں دیا، نہ ہی سیاسی انقلابات کی آندھیاں اُس کے مضبوط شاعرانہ اقدار کو آسانی کے ساتھ اکھاڑ سکیں۔

پھر بھی اس دور کی شاعری میں جو جدت وندرت، افکار وخیالات میں جو بلندی اور ظاہری رنگ وروغن میں جو خوش نمائی نظر آتی ہے وہ وقت کے تمدن اور تہذیب کے تقاضوں کا نتیجہ ہے۔ یوں بھی شاعری وقت کی آواز ہوتی ہے، یہ وہی ساز چھیڑتی ہے، زمانہ جس کا ماحول اور مزاج بناتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم اس دور کی شاعری پہ پڑنے والے اثرات کو تین الگ الگ عنوانات سے بیان کرنے جا رہے ہیں:

۱- شعر کے الفاظ اور اسالیب بیان میں اثرات۔

۲- شعر کے خیالات ومعانی میں اثرات۔

۳- شعر کے اغراض وموضوعات میں اثرات۔

اوّلاً: شعر کے الفاظ اور اسالیب بیان میں اثرات:

۱۔ معیاری تمدنی زندگی کی تصویر:

جدید تہذیب کے اثر سے شعر کے الفاظ اور اس کے اسالیب بیان میں لطافت، نزاکت ہر سو حسن وجمال کی رنگینی اور تمدنی چمک دمک کے اثرات مرتب ہوئے، اس دور ترقی میں عربی ماحول ومعاشرت میں انقلابی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ بغداد

میں زندگی کا کوئی گوشہ اس تبدیلی کے اثرات سے نہ بچ سکا تھا، گویا معاشرہ کا شہری طبقہ عموماً آسودہ حال اور عیش وعشرت میں زندگی گزار رہا تھا۔ کھانے کے لیے وہ سونے چاندی کے برتن تک استعمال کرتا تھا۔ یہ برتن رنگارنگ تصویروں سے منقش ہوتے تھے، چناں چہ ابونواس جامِ شراب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

تُدارُ علينا الراحُ في عَسجَديّةٍ　　　　حَبَتْها بأنواعِ التصاوير فارسُ

ہم میخواروں پر جو سونے کے کام کیے قالین میں بیٹھے ہیں، شراب کا دور چلایا جارہا ہے، اس جام کو رنگارنگ تصویروں سے ایرانی صنعت گروں نے بنایا ہے۔

۱۔ شیریں سخن الفاظ کا استعمال:

اس دور میں شعرا نے نامانوس الفاظ سے گریز کیا، ان کی جگہ لطیف، شیریں، سبک اور موزوں الفاظ استعمال کیئے ،اس سے آپ سے آپ اسلوبِ بیان میں شگفتگی اور سلاست پیدا ہوئی، ابوشیص کہتا ہے:

وقف الهوىٰ بي حيث أنتَ　　　　فليس لي متأخر عنه ولا متقدم

اٗجد الملامةَ في هواك لذيذةً　　　　حُبّاً لِذِكرك فَلْيَلُمُنِى اللُّوَّمُ

محبت نے مجھے وہاں کھڑا کر دیا ہے جہاں تم ہو، اب میں اس جگہ سے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں نہ آگے بڑھ سکتا ہوں۔

تمہاری محبت کے حوالے سے لوگوں کی ملامت میں مَیں لذت محسوس کرتا ہوں، کیوں کہ تمہارے نام کا تذکرہ مجھے عزیز ہے، لہٰذا ملامت کرنے والے کریں میری خوب ملامت۔

۲۔ اعلیٰ شہری قدروں کی عکاسی:

تہذیب وتمدن کے رنگ سے اس دور کا معاشرہ ایسا رنگ گیا تھا کہ خاک اڑتی ہوئی صحرائیں گل وگلزار ہوگئیں، خیموں کی جگہ اونچے اونچے محل تعمیر کر لیے گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دہقانی زندگی نے یکا یک اعلیٰ درجے کی شہری زندگی کا زرق برق پوشاک اوڑھ لیا۔

درباری شعرا بھی اسی فتنہ ساماں تمدن اور آسائشوں کے مزے لوٹ رہے تھے، یوں بھی شعرا بہت حساس ہوتے ہیں، ان کی انفعالیت انہیں بہت آسانی کے ساتھ حال سے ہم آہنگ کر دیتی ہے۔

اس دور کے شعرا ہی تھے، جنہوں نے ماضی کی راہ ورسم کے خلاف خود بغاوت کی، ابونواس ان شعرا کا مذاق اڑاتا ہے جو قصیدے کا آغاز محبوب کی کھنڈرات کے ذکر سے کرتے تھے اور وہاں رُک کر ماضی کی یادوں پر غم کے چند آنسو بہا لیتے تھے۔

قُل لمن يَبكي على رسمٍ دارسٍ　　　　واقفاً، ما ضَرَّ لو كان جالسُ

اس سے کہو جو مٹے ہوئے نشانات پر کھڑے ہوکر روتا ہے، اگر وہ بیٹھا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا۔ نیز کہتا ہے:

صفةُ الطُّلول بلاغةُ القدمِ　　فَاجْعَلْ صفاتِك لابنةِ الكَرمِ

ٹیلوں اور کھنڈرات کے اوصاف بیان کرنا قدیم بلاغت کی باتیں ہیں، تم انگور کی بیٹی (شراب) کی صفات بیان کیا کرو۔

مزید کہتا ہے:

لاجَفَّ دمعُ الذي يبكى على حَجَر

ولا صفا قلبُ من يصبو إلى وتِدِ

اس کے آنسو خشک نہ ہوں جو پتھروں پر روتا ہے، اس کا دل بالیدہ (خوشگوار) نہ ہو جو (خیمے کی) کھونٹیوں سے دل لگاتا ہے۔

۳۔ معنی خیز مطلع:

مولدین شعرا نے اگرچہ کوہ ودمن اور اطلال ودیار کے ذکر سے قصیدوں کی شروعات کرنے سے انحراف کیا، مگر بعض شعرا کے یہاں قصیدہ کا آغاز ایسے معنی خیز مطلع سے ہوتا ہے کہ مطلع ہی پورے قصیدہ کے موضوع کی جانب لطیف اشارہ کر کے پورے مواد کو سامنے لے آتا ہے، مثلاً ابوتمام مرثیہ نگاری پر مبنی قصیدے کا آغاز اس شعر سے کرتا ہے :

كذا فَلْيَجِلّ الخطبُ وَلْيَفْدَحِ الأمرُ

فليس لعينٍ لم يَفِضْ ماءُ ها عُذْرُ

اس مصیبت کو ایسا ہی گمبھیر ہونا چاہیے اور صورتِ حال کو ایسا ہی گراں بار ہونا چاہیے، اب جس کی آنکھیں آنسو نہ بہائے اس کے لیے عذر خواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ اس دور میں علم، فکر، فلسفہ اور مذہبی خیالات کی گرم بازاری تھی، فطری طور پر شاعری بھی علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ خیالات سے متاثر ہوئی، تمدنی زندگی میں عرب ابھی ابتدائے عشق کے مرحلے سے گزر رہے تھے، اس لیے فارسی زبان کے بہت سارے الفاظ کو انہوں نے پوری دریادلی کے ساتھ اپنی زبان میں جگہ دی اور وقت کے تقاضے کے ساتھ عربی زبان کو ہم آہنگ کیا۔

ثانیاً: شاعری کے خیالات اور معانی میں اثرات:

تمہید:

اس دور کی تہذیبی زندگی نے دو حیثیتوں سے شاعرانہ خیالات اور معانی کو متاثر کیا، حسی حیثیت سے اور فکری حیثیت سے، یقیناً اس دور کی مادّی تہذیب کے عروج وترقی نے خیالات ومعانی کا ایسا چشمہ جاری کر دیا تھا کہ شعرا اس سے سیراب بھی ہو رہے تھے، ان کے خیالات کے کشت زاروں میں نئی نئی تشبیہات واستعارات کے حسین پھول بھی کِھل رہے تھے، شاعرانہ صلاحیتوں کے نئے نئے دریچے وا ہو رہے تھے۔ دوسری تہذیبوں اور اُن کے علوم کے امتزاج کے نتیجے میں ان شعرا کی عقلی پرواز میں بلندی، فکر میں گہرائی، تحلیل وتجزیہ کے فن میں ہنرمندی، معانی کا احاطہ واستقصا اور منطقیانہ اندازِ پیش کش جیسی خوبیاں راہ پا چکی تھیں، فکر ومعانی اور خیال وتصور کے اثرات ذیل کی سطروں میں دیکھیں:

۱۔ قدیم موضوعات جدید قالب میں:

نابغہ ذبیانی کو یہ کہنا تھا کہ نعمان بن منذر ایسا صاحب سطوت اور اثر ورسوخ رکھنے والا بادشاہ ہے کہ کوئی معتوب شخص اس سے بھاگ کر پناہ کی جگہ نہیں پا سکتا، اس خیال کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے:

فإنّك كالليلِ الذي هو مُدْرِكِي

وإن خِلْتُ أن المُنْتَأيَ عنك واسِعُ

اے نعمان! آپ تو رات کی مانند ہیں جس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا، میں خیال بھی نہیں کر سکتا کہ آپ سے فرار کی

گنجائش ہے۔

ذرا دیکھئے، اسی خیال کو زیادہ وسیع تصور کے ساتھ ایک عباسی دور کا شاعر اس طرح پیش کرتا ہے:

فأنتَ كالدهر مبثُوثاً حَبَائِلُهُ

والدهرُ لا مَلجأً منه ولا هَرَبُ

آپ تو زمانے (رات ودن) کی طرح ہیں جس کے جال اور پھندے (شکار کے لئے) ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں، بھلا زمانہ سے بچ کر کوئی کہاں پناہ ڈھونڈھ سکتا ہے۔

۲۔معانی میں جدت آفرینی:

اگر عشق کے ہزار رنگ ہوں تو اس موضوع کو باندھنے کے تو لاکھوں طریقے ہو سکتے ہیں، مگر کیا بشار بن برد سے پہلے بھی کسی نے کہا ہوگا، یا سنا ہوگا کہ کان بھی بلائے عشق میں گرفتار ہوتا ہے، یہ بات اسی شاعر نے کہی:

يا قومُ أذني لبعضِ الحَيِّ عاشقةٌ

والأذنُ تَعْشَقُ قبل العينِ أحيانا

قالوا بمن لا تَرَى تَهْذِي؟ فقلتُ لهم

الأذنُ كالعين تُوفِي القلبَ ما كانَا

اے لوگو! میرے کان کسی پر عاشق ہیں، کبھی کبھار آنکھوں سے پہلے کان عاشق ہو جاتے ہیں۔

یہ سن کر لوگوں نے کہا: جس کو تم نے دیکھا نہیں اس کے بارے میں کیا بکواس کرنا؟ میں نے ان سے کہا: کان آنکھوں ہی جیسے ہوتے ہیں، دل کے جذبات کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔

۳۔فکر ومعانی کا احاطہ واستقصا:

کسی موضوع پہ اظہار خیال کیا جائے تو اس کا حق ادا کیا جائے اور کسی طرح اس کو تشنہ طلب نہ رہنے دیا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم موصلی کے ذیل کے اشعار میں فکر ومعانی کے احاطہ واستقصا کو دیکھئے:

أخاف عليها العَيْنَ من طولِ وَصلِهَا

فأَهْجُرَهَا الشهرين خوفاً من الهَجَرِ

فكنتُ كمن خاف النَّدَى أن يَبَلَّهُ

فعاذَ من الميزاب وانْقَطَرَ بالبحر؟

طول وصال کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ اس پر نظر نہ لگ جائے تو میں اسے دو مہینے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں، ہجر وفراق کے ڈر سے۔

تو میرا حال اس شخص جیسا ہوتا ہے جو شبنم سے بھیگنے کے ڈر سے پرنالہ کی پناہ میں آیا، تو سمندر میں ڈوبا۔

۴۔منظر نگاری اور خیال کی پرواز:

بشار بن برد کو نابینا ہونے کے باوجود تشبیہات اور تصویر کشی پیش کرنے میں جو کمال حاصل تھا وہ بینا لوگوں کو بھی

نصیب نہ ہوسکا، ذیل کی تشبیہ میں اس کی تصویر کشی اور منظر نگاری کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے:

وجيشٍ كَجُنْحِ الليلِ يَزْحَفُ بالحَصَى

وبالشوكِ والخَطِّيِّ حُمْراً ثَعَالِبُهْ

كأنَّ مُثارَ النَّقْعِ فوقَ رؤوسِنَا

وأسيافَنا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهْ

رات کی تاریکی میں بھاری لشکر پتھریلی راستوں پر گھسٹتا ہتھیاروں اور سرخ پھلوں والے نیزوں سے لدا پھندا پیش قدمی کر رہا تھا۔

گویا ہمارے سروں اور ہماری تلواروں کے اوپر ابھرنے والا غبار کی وجہ سے رات کا سا سماں تھا، جہاں تلواروں کے ٹکرانے سے ستاروں کی طرح سے (چنگاریاں) گر رہی تھیں۔

۵۔فلسفیانہ فکر اور بیرونی تہذیبوں کا رنگ:

وقَدْ خَفِيَتْ من لَطْفِهَا فكأنَّها

بقايا يقينٍ كا د يُذْهِبُها الشَّكُّ

اس شراب کے لطیف اثرات اب بھی باقی ہیں، گویا یقین کے وہ باقیات جنھیں شک ختم کر دینا چاہتا ہے۔

۶۔عقلی دلائل اور حسن تعلیل:

عباسی معاشرہ صرف شاعرانہ جذبات ہی کی عکاسی کے لیے ساز گار نہ تھا، یہ ایک عقلی، فکری اور علمی معاشرہ بھی تھا جہاں عقلی دلائل اور منطقی قیاسات کے بغیر کام نہ چل سکتا تھا، شعرا نے اس راہ سے بھی اپنی حیثیت منوائی، ابوتمام کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

وطولُ مقامِ المرءِ فی الحّيِّ مُخْلِقٌ

لِدِيبَاجَتَيْهِ فَاغْتَرِبْ تَتَجَدَّدُ

فإني رأيتُ الشمسَ زيدتْ محبَّةً

على الناس أن ليست عليهم بسرمَدِ

آدمی کا ایک ہی مقام پر لمبے عرصے تک قیام اس کے چہرے کو پرانا کر دیتا ہے (بے وقعت بنا دیتا ہے)، لہٰذا تم سفر کر کے باہر چلے جایا کرو تو لوگوں کی نگاہوں میں نئے بنے رہو گے۔

میں نے سورج کو دیکھا ہے کہ اس کی محبت لوگوں میں بڑھتی رہتی ہے کیوں کہ سورج ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا۔

دراصل پہلا شعر دعویٰ ہے اور دوسرا شعر اس کی دلیل ہے۔ سورج چوں کہ ڈوبتا ابھرتا رہتا ہے اس لیے لوگوں کی نگاہوں میں محبوب رہتا ہے۔

۷۔مبالغہ آرائی:

قابل قبول مبالغہ آرائی تو ادب کا مقبول اسلوب رہا ہے تاہم مولدین کے کلام میں مبالغہ آرائی میں بھی مبالغہ

پسندیدہ سمجھا گیا ہے، بشار بن برد بھینس کی طرح لمبے ڈیل ڈول کا آدمی تھا، مگر وہ اپنے بارے میں کچھ اور ہی کہتا ہے:

إن في بُرْدَيّ جسماً ناحلًا　　　لو تَوكَّأْتَ عليه لَا نْهَدَمْ

میرے (یمانی) کپڑوں میں ایک لاغر جسم چھپا ہوا ہے، اس جسم سے تم ٹیک لگاؤ گے تو وہ گر جائے گا۔

۸۔ کلام کا نچوڑ:

اس دور کے شعرا کا معیار دانش اور علمی وفکری سطح یقینی طور پر بلند تھی کہ قصیدہ کا لب لباب اور نچوڑ، کلام کے آغاز میں یا قصیدہ کے مطلع میں بیان کر دیتے تھے۔

ابو تمام کا شعر ہے

السيفُ أصدقُ اِنُبَاءً من الكتبِ

في حَدَّهِ الحدُّبين الجِدِّ والَّلعِبِ

تلوار نے ثابت کر دیا کہ وہ نجومیوں کی پیشین گوئی سے زیادہ سچی ہے۔حق و باطل کی جنگ میں تلوار نے اپنی حقانیت، حق کی کاٹ اور باطل کی شکست ثابت کر دی۔

ثالثاً: شعر کے اغراض وموضوعات:

شاعر اپنا موضوع اور مواد، اپنے ہی ماحول اور معاشرے سے لیتا ہے اور ہر معاشرے کا مزاج، رنگ اور طور طریقے جداگانہ ہوتے ہیں، اس تناظر میں عصر عباسی کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو یہاں اسلامی تہذیب کا غلغلہ، تمدن کے اعلیٰ مظاہر، تہذیبوں میں تنوع، معیشت میں ترفّہ اور فارغ البالی، طرز زندگی میں تجدد پسندی اور مختلف عناصر کے امتزاج سے عادات واطوار میں نیرنگی نظر آتی ہے، اس کے نتیجے میں اس دور کی شاعری کے اغراض واصناف کلام میں بھی نئے رجحانات صاف دکھائی دیتے ہیں۔

ظاہر ہے اس نئے دور میں شاعری کے قدیم اغراض وموضوعات اب زمانۂ حال سے ہم آہنگ نہ ہو سکتے تھے، پھر بھی قدیم روایتی (کلاسیکی) شاعری سے انحراف نظر نہیں آتا، نئے زمانے کے نئے موضوعات کو بھی موضوعِ سخن بنایا گیا اور اس میں وسعت اور جدت کی روح پھونکی گئی۔شعرا نے نئے نئے موضوعات پہ خوب جولانیاں دکھائیں اور اپنے شاعرانہ فن کا ثبوت دیا۔ یہاں صرف ان اصناف سخن اور جدید موضوعات کو زیر بحث لایا جا رہا ہے، جو عباسی دور سے پہلے معروف نہیں تھے اور وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اباحی غزل:

تمدن کی فتنہ انگیزیوں نے اس دور میں قریب قریب عذری محبت کا خاتمہ کر دیا اور اباحی غزل کو رواج دے کر قدیم عربی روایات کو کچل دیا، بشار بن برد کہتا ہے:

فَدَ عِيُنِي معه يَا أَمَتَا
عِلُناً في خَلُوَةٍ نَقُضَي الوَطَر

اے میری باندی مجھے اس کے ساتھ علانیہ خلوت میں چھوڑ دو ہم اپنی حاجت پوری کر لیں۔

ابن المعتز فطری طور پر غزل گو شاعر ہے جس کے کلام میں جودت طبع، رقت ونزاکت اور حلاوت، الفاظ کی شوخی اور شیرینی اور بلا کی تشبیہات ہوتی ہیں، تشبیہات کے بارے میں تو وہ کہتا ہے اللہ بھلا نہ کرے اگر میں شعر کہوں اور تشبیہات نہ لاؤں، چنانچہ وہ کہتا ہے:

وقلتُ تَعالى يا شُرَيرةُ نَمُتَزِجُ
كمثلِ امتزاجِ الماء والخمرِ نِصفَين

میں نے کہا: شُریرہ! آؤ، ہم آدھے پانی اور آدھی شراب کی طرح گھل مل جائیں۔

۲۔ حکمت:

قدیم زمانے سے حکیمانہ شاعری سے عربی شاعری کا رشتہ رہا ہے، اب اس دور کی غیر متوازن معاشرتی رویہ، اخلاقی قدروں کے پامال ہونے اور تمدن کی طغیانی کے ردّعمل کے نتیجے میں متصوفانہ اور حکیمانہ شاعری معاشرتی فلسفہ کے قالب میں ڈھل گئی۔

متنبّی بلیغ حکیمانہ رنگ میں لوگوں کی زندگی کا خاکہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

كلّما أنبتَ الزمانُ قناةً
رَكَّب المرءُ في القناةِ سِنَانَا
مرادُ النفوس أصغرُ مِن أنْ
نَتَعَادَى فيه وأن نَتَفَانَى
ولو أنّ الحياةَ تَبقَى لِحَيٍّ
لَعَدَّدُنَا أَضَلّنا الشُّجُعَانَا
وإذا لم يكن من الموت بُدٌّ
فَمِنَ العَجُزِ أن تكون جَبَانا

۳۔ زہد:

عیش وعشرت میں ڈوبی اس دور کی زندگی اور بڑھتی ہوئی اخلاقی انارکی کے اس آزادانہ ماحول میں دین پسند لوگوں نے اصلاحِ حال کا بیڑہ اٹھایا، اور دین کی روشنی میں سادگی کی زندگی کی دعوت دی، یہ دعوت حقیقی زہد وتصوف کی راہ سے بھی آئی اور اس میدان کے شعرا نے اس کا علم بلند کیا، زہد کی شاعری یہ ابوالعتاہیہ، صالح عبدالقدوس، ابان بن عبدالحمید کاتب (جس نے کلیلہ

دمنہ کو نظم کا جامہ پہنایا تھا) نے اظہار خیال کیا، ابوالعتاہیہ زہد کی ترغیب اور دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی برتنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

رغيفُ خبزٍ يابسٍ تأكله في زاويةُ
و كوزُ ماءٍ باردٍ تشربه من صافية
وغرفةٍ ضَيَّقةٍ نفسُك فيها خاليةُ
أو مسجدٍ بمنزلٍ عن الورى في ناحيةُ
تدرس فيه دفتراً مُستَنِداً بساريةُ
خير من الساعات في فَيْءِ القصورِ العَاليةُ

۴۔مناظر قدرت کی تصویر گری:

خلیفہ منصور نے بغداد کو جنت نشان بنانے کی داغ بیل ڈال دی تھی، لہٰذا اس دور کی چمن بندیوں، بکھرے ہوئے حسین منظروں، مصنوعی نہروں، ستاروں اور کہکشاؤں اور موسمِ بہار کے دلکش نظاروں کی تصویر گری شعرا نے جی کھول کر کی۔ ابوتمام، بحتری، ابن الرومی اور ابن المعتز وغیرہ نے قدرتی حسن کو عاشقانہ رنگ میں پیش کیا۔

بحتری نے متوکل کے ایک مصنوعی حوض کی عمدہ وصف نگاری کی ہے جس کے چند اشعار کا مزہ آپ بھی لیجئے:

إذا علتها الصبا أبدت لها حُبُكاً
مثلُ الجَواشن مصقولًا حَواشيها
فحاجب الشمس أحياناً يُضَاحِكُها
ورَيِّقُ الغيث أحياناً يُبَاكِيها
إذا النجومُ تَراءَت في جوانبها
ليلاً حسبتَ سماءً رُكِّبَتْ فيها

زيات: [ص:٢١٦]

۵۔شراب نوشی:

شراب نوشی اور بادہ کشی کے جس موضوع کو شاعرانہ فنکاری کے سان پر چڑھا کر اعشیٰ اور عدی بن زید العبادی نے دھار دار بنایا تھا، وہ عصر عباسی میں پہنچ کر ایک بانکا نوجوان کی طرح سے ایک مکمل فن کے قالب میں ڈھل گیا۔ اسلامی اقدار و روایات کے غلبے کے باوجود چونکہ یہ ایک آزاد معاشرہ تھا، اس لئے اس دور میں بادہ وجام کے خوب گیت گائے گئے، پینے والوں نے علانیہ پی اور پینے کی علانیہ دعوت دی۔ ان بادہ خواروں کی نظر میں شراب حرام کیا؟ پاکیزہ قرار پائی، اس سے محبت کی گئی، اس کی محفلوں کی شان بڑھائی گئی، اس موضوع پر پورے پورے قصیدہ کہے گئے اور اسے مکمل طور سے ایک مکمل فن بنا دیا گیا۔ ابونواس اور اس کے ہم نشینان محفل آئے اور اس کی قدر و منزلت اور مدح وستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

ودار ندامي عطلوها وأدلجوا

بها أثر منهم جديد ودارس

تُدار علينا الراح في عسجدية

حبتها بألوان التصاوير فارس

قرارتها كسرى، وفي جنباتها

مهاً تدريها بالقسي الفوارس

فللخمر مازرّت عليه جيوبها

وللماء ما دارت عليه القلانس

زيات: [ص:۲۰۰]

خلاصہ

عباسی دور کی شاعری میں مضمون اور شکل کے لحاظ سے جو بھی تبدیلی ہوئی وہ جدید تہذیب وتمدن کا نتیجہ اور وقت کی آواز تھی۔ اس تبدیلی کو تین عنوانات سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

- اول: شعرا کے الفاظ واسالیب میں تبدیلی کے اثرات:

اس ضمن میں شاعری میں تمدنی زندگی کی تصویر پیش کی گئی۔ شیریں اور شگفتہ الفاظ استعمال کئے گئے، اعلی شہری زندگی کی عکاسی ہوئی، معنی خیز مطلع سے قصیدہ کا آغاز ہوا۔

- دوم: شعر کے خیالات اور معانی میں تبدیلی کے آثار:

اس ضمن میں قدیم موضوعات کو جدید روپ میں پیش کیا گیا۔ معانی میں ندرت پیدا کی گئی، فکر ومعانی کا احاطہ کیا گیا، خیالات میں بلندی پیدا کی گئی، عقلی اور فکری دلائل سے کام لیا گیا۔

- سوم: اغراض وموضوعات کے ضمن میں نئے نئے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا، ان میں جدت کی روح پھونکی گئی، مثلاً اباحی غزل کو ہوا دی گئی۔ حکمت پر مبنی اشعار میں زہد وتصوف اور فلسفہ سے رنگ آمیزی کی گئی، ماحول میں بڑھتی ہوئی اخلاقی انارکی کا مقابلہ کرنے کے لئے زہد کی شاعری کا غلغلہ بلند کیا گیا، مناظر قدرت کی تصویر کشی زندہ دلانہ اسلوب اور عاشقانہ رنگ میں کیا گیا، شراب اور شراب نوشی کو ایک مکمل فن کے معیار پر پہنچا کر اس کی شان میں قصیدے کہے گئے۔

سوالات

سوال: ۱ عباسی حکومت کے دور اول میں شاعری اس وقت کی تہذیب وتمدن سے کس حد تک متاثر ہوئی؟

سوال: ۲ عربی شاعری پر ایرانی ادب وثقافت کے اثرات کس طرح پڑے؟

سوال: ۳ [illegible]

سوال:۴ مولدین شعرا کی پانچ ادبی خوبیاں اور دو خامیاں بتایئے؟

سوال:۵ خلفا اپنے ذوق شاعری کا ثبوت کس طرح پیش کرتے تھے؟

سوال:۶ درباروں میں شعرا کے مقام و مرتبے اور ان کے کردار پر اظہار خیال کیجئے۔

سوال:۷ معاشرتی سطح پر شاعرانہ ذوق کا کیا حال تھا؟ اپنے خیالات قلم بند کریں۔

سوال:۸ شاعری میں بغدادی رجحان اور شامی رجحان کا تعارف دیجیے۔

سوال:۹ جدید تمدنی دور میں شعر کے الفاظ اور اسلوب بیان میں کس طرح تبدیلی آئی، یا اس دور کی شاعری نے کس طرح کے اثرات قبول کئے؟

سوال:۱۰ اس دور کی شاعری کے خیالات اور معانی میں جو اثرات پڑے انہیں مثالوں سے واضح کریں۔

سوال:۱۱ ''مولدین کی شاعری میں مبالغہ آرائی میں بھی مبالغہ کو پسند کیا گیا''، اس بات کو آپ کسی شعر سے واضح کریں۔

سوال:۱۲ اغراض و موضوعات کے حوالے سے اس دور میں شراب کے موضوع پر کیا جدیدیت نظر آئی؟

مراجع:

تاريخ الأدب العربى — از حنا فاخوری

تاريخ الأدب العربى الأعصر العباسية، تیسرا حصہ — از شوقی ضیف

من حديث الشعر والنثر — از طہ حسین

شعراء الشام فى القرن الثالث — از خلیل مردم

دراسات فى تاريخ الدولة العباسية — از حسن پاشا

شعراء الطبيعة فى الأدب العربى — از سید نوفل

الفن ومذاهبه فى الشعر العربى — از شوقی ضیف

تاريخ الشعر العربى — نجیب محمد بہیتی

اکائی ۲

بشار بن برد: تعارف

نام ونسب

پیدائشی نابینا

ماحول اور شعر گوئی کا آغاز

عربی زبان میں پختگی

حلیہ

شخصیت

شاعری

النصوص الأدبية لبشار بن برد

الفاظ ومعانی

اشعار کا ترجمہ

تشریحی ترجمہ

خیال کی بلندی

تقلید وتجدد کا امتزاج

خلاصہ

سوالات

مراجع

اکائی-۲ بشار بن برد: تعارف

نام ونسب:

قیاس غالب ہے کہ بشار بن برد ۹۶ھ مطابق ۷۱۴ء میں بصرہ میں پیدا ہوا، اس کا دادا یرجوخ طخارستان کے ان قیدیوں میں سے تھا جنہیں حاکم خراسان مھلب بن ابی صفرہ نے گرفتار کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ برد کے گلے میں اول دن سے ہی غلامی کی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ برد پہلے تو مہلب کی بیوئی خیّرہ قشیریہ کی غلامی میں تھا، پھر بعد میں خیّرہ نے اسے ایک عقیلی خاتون کو ہبہ کر دیا، اس عقیلی خاتون نے برد سے شادی کر لی، اس خاتون کے بطن سے بشار پیدا ہوا، بشار ماں کے واسطے سے خود کو رومی گردانتا ہے، چنانچہ ایک شعر میں کہتا ہے:

قیصر خالی اذا عَدَدْتُ یوما نسبی

اگر میں اپنا نسب شمار کروں تو قیصر روم میرے نانیہال میں آئیں گے۔

اگر یہ بات صحیح ثابت ہوتی ہے، تو اس کا باپ ایرانی اور ماں رومیہ ہوگی۔

پیدائشی نابینا:

بشار پیدائشی طور پر تو نابینا تھا، لیکن قدرت نے اسے غضب کا حافظہ عطا کیا تھا، وہ خود اس سلسے میں کہتا ہے:

عمیتُ جنیناً والذکاءُ من العمٰی فجئتُ عجیبَ الظن للعلم مَوئِلَا

میں ماں کے پیٹ سے ہی بینائی سے محروم رہا، البتہ اس بینائی کے بدلہ میں ذہن کی دولت ملی، پس میں عجیب و غریب فکر وخیال کا مالک بنا اور علم کا ملجا قرار پایا۔

ماحول اور شعر گوئی کا آغاز:

بچپن سے ہی کور پن نے بشار کے احساس کو بیدار کر رکھا تھا، چنانچہ اس نے بصرہ کی مسجدوں اور شعرا و ادبا کی مجلسوں کا رخ کیا اور علم وادب کے خزانوں سے اپنے دامنِ مراد کو بھرتا رہا۔ پھر بنی عقیل میں اس کی پرورش و پرداخت نے بھی عربی زبان وادب کا سلیقہ پیدا کرنے میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اُدھر مربد (سرائے کاروان) کی ادبی سرگرمیوں نے بھی اس کی فطری شاعرانہ ملکہ کو غذا پہنچائی۔ حتی کہ دس برس کی عمر میں ہی اس کی زبان سے عربی اشعار کے سوتے پھوٹ پڑے۔

یہ زمانہ بنوامیہ کے غروب اور عباسی دور کے طلوع کا تھا۔ زمانے کا عام مزاج چونکہ ہجو گوئی کا تھا، جس میں کم وبیش سبھی شعرا کسی نہ کسی طور سے ملوث تھے، لہذا اس بچہ نے بھی فطری طور پر اسی صنف میں سب سے پہلے اپنی زبان کھولی۔

عربی زبان میں پختگی:

بشار زیادہ سے زیادہ عربی زبان میں پختگی اور مہارت پیدا کرنے کا خواہش مند تھا، چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے سے بادیہ نشینی اختیار کر لی اور وہاں اتنی مدت تک قیام پذیر رہا کہ اس کے اندر عربی زبان کی بے پناہ قدرت پیدا ہوگئی، اس کی

باریکیوں سے واقف ہوااور بادیہ نشینوں کے احوال وکوائف کو بہت قریب سے دیکھا (یعنی اس نے کان اور دل کی آنکھوں سے دیکھا)، بشارکواپنی فصاحت وبلاغت اورزبان دانی پر ہمیشہ نازرہا ۔

حلیہ:

بشار بے ڈھب، موٹا، انتہائی لمبا، کالا اور بھاری کلے کا آدمی تھا۔اس کی آنکھیں کور ہونے کے ساتھ باہرکونکلی ہوئی تھیں گویا آنکھوں کی جگہ لال گوشت کا ٹکڑا رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔اس کے چیچک زدہ چہرے اور بدنماہئیت کو دیکھ کر طبیعتوں میں گھن اور دلوں میں کدورت پیدا ہوتی تھی۔ایک مرتبہ ایک عورت نے اس سے کہا: تم اس قدر بدصورت ہو پھر بھی لوگ تم سے ڈرتے ہیں۔بشار نے برجستہ جواب دیا: لوگ کیا شیر سے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے ڈرتے ہیں؟

شخصیت:

بشار بدصورت ہونے کے ساتھ بدمزاج وبداخلاق بھی تھا، گناہوں پر فخر کیا کرتا تھا، اس کی نگاہ میں معاشرتی بندش کے کچھ معنی تھے، نہ ہی اخلاقی عزت وناموس کے تحفظ کا کوئی مطلب۔بڑا ہی اوچھا، بےصبرا اور سریع الغضب واقع ہوا تھا، ذرا ذرا سی بات میں ہجوگوئی اور فحش گوئی پہ اتر آتا تھا، تندی، زبان درازی اور بدگوئی کی عادت جیسے اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

علانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرتا تھا، کھلے بند شراب پیتا تھا اور اس سے اپنی محبت ووارفتگی کا اظہار کرتا تھا، یہ ایک انانیت پسند، زمانہ ساز اور مال ومنال کا شکاری تھا، اپنے آپ کو موقع وماحول کے لحاظ سے حالات کے سانچے میں ڈھال لینا خوب جانتا تھا، وہ اپنے مخالفین کے لئے تلوار کی کاٹ تھا، نہایت بےہودہ اور زہریلی زبان استعمال کرنے میں ذرا بھی ہچکچاتا نہ تھا۔

لیکن دل کا جری اور بےباک بھی تھا، خطرات کی پرواہ کرتا تھا، نہ کسی کو خاطر میں لاتا تھا، اپنی بات پہ ثابت قدم رہنے والا تھا، مگر اپنی زندگی میں ذاتی مفاد کو ہر حال میں اولیت دیتا تھا، رائے وفکر کا مقام اس کے بعد کی چیز تھی۔

اعلی پایہ کا انشاپرداز، خطیب ومقرر اور نثر نگار کی حیثیت سے بھی مشہور تھا۔

اس کے اندر الحاد کا میلان بھی پایا جاتا تھا۔شعوبیت اور انانیت اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آدم کو سجدہ نہ کرنے اور آگ کو مٹی پر فوقیت دینے کے سلسلے میں ابلیس کی رائے کی تصویب وتائید کرتا تھا، اس شیطان نے ایک قصیدہ ابلیس کی مدح میں بھی لکھا ہے، اس سلسلے میں ذیل کا شعر بھی اسی نے کہا ہے:

الأرضُ مُظلمةٌ، والنارُ مُشرقةٌ   والنارُ معبودةٌ مذكانتِ النارُ

زمین تاریک رہی ہے جبکہ آگ روشنی کی پیدا کرتی رہی ہے اور جب سے آگ کا وجود ہوا ہے، اس وقت سے اُسے معبود کی حیثیت حاصل ہے۔

آخر کار الحاد وزندقیت کے الزام میں ۱۶۷ یا ۱۶۸ھ مطابق ۷۸۲ یا ۷۸۳ء میں مارا گیا۔

شاعری:

ویسے تو بشار بن برد نے تمام اصناف سخن میں شاعری کی ہے، اس کے کلام میں تنوع بھی ہے اور کثرت بھی، اس کی مقبولیت کا راز اس کی شاعرانہ صلاحیتوں میں پوشیدہ ہے۔لیکن اس کی شاعری کا زیادہ تر حصہ ضائع ہو چکا ہے، کیونکہ نابینا ہونے کی

وجہ سے وہ خود تو تحریری طور پر محفوظ نہ رکھ سکتا تھا، پھر دو چار راویوں کے نام ملتے ہیں، مگر انہوں نے اس کا دیوان مرتب نہیں کیا اور جو کچھ باقی ہے اس میں عام طور پر ہجو، غزل، مدح وغیرہ کے اشعار پائے جاتے ہیں۔

بشار کا قصیدہ رسمی اور روایتی ہوتا ہے، جو عموماً تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے؛ تشبیب، مدح اور مقصد۔ اس کے قصائد کا اسلوب پختہ اور چست ہوتا ہے اور ہیئت اور موضوع کے لحاظ سے قریب قریب روایتی۔

بشار اپنی خمریات میں عاشقانہ رنگ تغزل کا بھی لطف ولذت شامل کر دیتا ہے، غزل گوئی میں بھی عاشقی کے رنگ کو خوب نمایاں کرتا ہے، جس کا مخاطب عبدہ نام کی عورت کو بناتا ہے، یہ رنگ قاری کے اندر فرحت وانبساط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

بہت سی حیثیتوں میں بشار دبستانِ حجاز کے شعرا سے قریب اور عمر بن ربیعہ سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم اس کے اشعار کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

يُزهّدنى فى حُبِّ عبدةَ معشرٌ　　قلوبُهم فيها مخالهةٌ قلبى

فقلتُ دَعُوا قلبى وما اختارَ وارتضى　　فبالقلب لا بالعين يَبْصُرُ ذوالحب

کچھ لوگ مجھے عبدہ کی محبت سے بیزار کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں ان کا دل میرے دل کے مخالف ہے۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے دل کو اس کی پسند اور اختیار کے ہمراہ رہنے دیں، اس لئے کہ عاشق سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ آگے وہ کہتا ہے:

يا قومِ أُذُنِى لبعض الحىِّ عاشقةٌ　　والأذنُ تَعْشَقُ قبل العين أحيانا

قالو!بمن لاترى تهذى؟ فقلت لهم　　الأذنُ كالعين تُوفِى القلبَ ماكانا

اے لوگو! میرا کان قبیلہ کی ایک حسینہ پر فریفتہ ہو چکا ہے اور کبھی کان آنکھ سے پہلے ہی گرفتار عشق ہو جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں جسے تم دیکھ نہیں سکتے، اس کے بارے میں بکواس کیوں کرتے ہو؟ تو میں نے اس نے عرض کیا کہ کان بھی آنکھ ہی کی طرح دل کو پوری پوری بات پہنچاتا ہے۔ اس کا ایک انداز یہ بھی ہے:

لم يَطُلْ لَيلِى ولكنْ لم أنم　　ونفى عنِّى الكَرَى طيفُ ألم

نَفِّسى يا عبدُ عنّى وَأعْلَمِى　　أنَّنِى يا عبدُ من لحمٍ ودَم

انَّ فى بُردَىَّ جسما ناحلا　　لوتوكَّأتَ عليه لانهدم

میری شب دراز نہ تھی، لیکن پھر بھی سو نہ سکا، ایک تکلیف دہ خیال کی آمد نے میری نیند اڑا دی۔

اے عبدہ! میری اس (بے خوابی) پریشانی کو دور کر دو اور جان رکھو کہ میں بھی گوشت پوست سے ہی مرکب ہوں۔

میری چادروں میں ایک نحیف ولاغر جسم لپٹا ہے ہوا ہے (وہ اس قدر نحیف ہے) کہ اگر تم اس پر ٹیک بھی لگاؤ تو وہ گر پڑے۔

هل تعلمين وراءَ الحُبِّ منزلةً　　تُدْنِى اليك فانَّ الحَّب أقصانى

کیا تمہیں محبت سے ماورا بھی کسی ایسے مقام کا علم ہے جو مجھے تم سے قریب کر دے، کیونکہ محبت نے تو مجھے تم سے دور ہی کر دیا ہے۔

أنا واللهِ أشتهى سَحْرَ عَيْنَ　　يكِ وأخْشَى مَصَارِعَ العُشَّاقِ

بخدا میں تمہاری آنکھوں کی سحر انگیزی کا خواہاں ہوں اور عاشقوں کی موت کو دیکھ کر ڈر بھی لگتا ہے۔

اسلوب:

بشار کے اسلوب میں ملائمت اور رقت کے ساتھ ساتھ چستی اور استحکام ، ایجاز و اختصار اور متانت پائی جاتی ہے۔ہئیت اور موضوع کے لحاظ (خاص طور سے اپنے قصائد میں) روایت پسندی غالب ہے،مگر اس کی پابندی نہیں ہے۔

سچ ہے کہ بشار کی شاعری نے بڑے پیمانے پر تجدید کا کام تو کیا،مگر اس کام نے اُسے اپنے موروثی سرمایہ سے جدا ہونے نہیں دیا، بلکہ اس کے اندر ایسی تہذیبی اور تمدنی حس ،ایسا لطیف ذوق پیدا کر دیا اور ایسی بیدار مغزی عطا کر دی جو ادب کے سرمایہ میں اضافہ کا باعث بنا، چونکہ اُس کے اندر وقت کے سانچے میں ڈھلنے کی اور شہری ماحول کے موافق اپنے کو ڈھال لینے کی پوری صلاحیت تھی،اس لئے اس کی شاعری میں قدیم روایتی شاعری اور عہد عباسی کی شاعری کے درمیان سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولدین کا امام:

بشار کا شمار مولدین کے صف اول کے شعرا میں اور متقدمین کے صف آخر کے لوگوں میں ہوتا ہے، کیونکہ کبھی تو وہ اپنے اشعار میں متقدمین کی پیروی کرتا ہے،انہی کی طرح الفاظ وکلمات کی بندش اور عبارت میں چستی کا خیال رکھتا ہے۔صحرانشینوں کی تصویریں دکھاتا ہے اور انہی کے ماحول سے معانی ومطالب لاتا ہے اور کبھی محدثین کے انداز ،لب و لہجے اور شکل وصورت میں نظر آتا ہے۔انہی کی طرح پرانے حدود وقیود سے آزاد ہو کر کلام کہتا ہے۔آسان،سادہ اور رکیک الفاظ تک استعمال کر جاتا ہے،حتی کہ اوزان کی خفت کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

لوگوں نے اسے بجا طور پر ابوالمحدثین کا لقب دیا ہے۔راویانِ شعر،شعرا اور ناقدین کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ وہ مولدین کے گروہ کا پیشوا ہے۔سب سے پہلے اسی نے لطیف غزل اور شوخ اشعار کہے ہیں اور بدوی حسن و جمال اور شہری نزاکتوں کو اپنے اشعار میں جگہ دی ہے،قدیم اور جدید شاعری کے درمیان اس کی شاعری حد اوسط ہے۔

مولدین شعرا میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو مقام امرؤالقیس کو جاہلی شعرا میں اور باردوی کو جدید شعرا میں حاصل ہے۔اصمعی نے بشار کو اعشی اور نابغہ کے مماثل قرار دیا ہے، کیونکہ ان ہی کی طرح بشار کے اشعار بھی کسی قسم کی کمزوری وخلل سے پاک ہیں، نہ ہی اس کے کلام میں غیر مانوس الفاظ وکلمات پائے جاتے ہیں، نہ ہی اس میں کسی طرح کی کوئی پیچیدگی اور ابہام نظر آتا ہے۔

جاحظ نے بھی تمام اصناف سخن اور فنون کلام میں اس کی مہارت کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: بشار خطیب بھی تھا،اُسے نظم ونثر دونوں میں ہی یکساں مہارت حاصل تھی۔فطری اور طبعی شاعر تھا،تمام اصناف سخن میں اس کے اشعار پائے جاتے ہیں۔تاہم فخر،غزل،ہجو اور حکمت میں اس کو کمال حاصل ہے (دیکھئے البیان والتبیین)۔

اس کی شاعرانہ کلام کی عظمت کو ابوعبیدہ،اصمعی ،خلف الاحمر اور دوسرے ارباب فن نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور خوب سراہا ہے (دیکھئے الأغانی تیسری جلد)۔

بشار نے اپنے بعد کے شعرا پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے،عصر حاضرین کے ناقدین نے بشار کو اکابر شعرا میں جگہ دی ہے اور مولدین شعرا کا امام تسلیم کیا ہے۔

النصوص الأدبية لبشار بن برد

(فى وصف جيش)

١– اذا كنتَ فى كُلِّ الأمورِ مُعَاتِباً — صديقَكَ لم تلق الذى لا تُعَاتِبُهُ

٢– فَعِشْ واحدا أو صِلْ أخاك فَاِنَّه — مُقارِفُ ذَنْبٍ مَرَّةً و مُجَانِبُهُ

٣– اذا أنتَ لم تشربُ مِراراً على القَذَى — ظَمِئْتَ،و أىُّ الناس تَصْفُو مَشَارِبُهُ

٤– اذا المَلِكُ الجبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهُ — مَشَيْنَا اليه بالسيوفِ نُعَاتِبُهُ

٥– تَغُصُّ به الأرضُ الفَضَاءُ اذا غَدَا — تُزَاحِمُ أركانَ البلادِ مَنَاكِبُهُ

٦– رَكِبنا له جَهْراً بِكُلِّ مُثَقَّفٍ — و أبيَضَ يَسْتَسْقِى الدماءَ مَضَارِبُهُ

٧– و جيشٍ كَجُنْحِ الليلِ يَزْحَفُ بِالحَصَى — و بالشوكِ و الخطىّ حُمْراً ثَعَالِبُهُ

٨– غدونا له و الشمسُ فى خِدْرِ أُمِّها — تُطَالِعُنَا و الطَّلُّ لم يَجْرِ ذَائِبُهُ

٩– بِضَرْبٍ يَذُوقُ الموتَ مَن ذَاقَ طَعْمَهُ — و تُدْرِكُ مَن نَجَّى الفِرارُ مَثَالِبُهُ

١٠– كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا — و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهُ

١١– بعثنا له مَوتَ الفُجَاءَةِ أنَّنا — بَنُو الموتِ، خَفَّاقٌ علينا سَبَائِبُهُ

١٢– فَرَاحُوا؛ فريقٌ فى الِاَسارِ و مِثْلُهُ — قتيلٌ، و مثل لاذَ بالبحر هارِبُهُ

الفاظ ومعانی:

عاتب، عتابا و معاتبة (مفاعلة): ملامت کرنا، فہمائش کرنا، اظہار ناراضگی کرنا۔

قارف ، مقارفة (مفاعلة) الذنبَ: گناہ کا ارتکاب کرنا۔ مقارفُ ذنبٍ: گناہ کا ارتکاب کرنے والا۔

جانب ، مجانبة (مفاعلة): الگ تھلگ رہنا، کنارہ کش رہنا۔

القذى : آنکھ کا تنکا، کوڑا کرکٹ۔

ظمئ يظمأ ظَمَأً (س): پیاسا ہونا

مشرب ج مشارب: پانی پینے کی جگہ۔

صعّر ، تصعيرا (تفعيل): چہرہ پھلانا۔ صعر خده: اپنے رخسار کو ٹیڑھا کیا، غرور و گھمنڈ میں پڑا۔

غَصَّ يغص غُصَّةً (ن): ہڈی کا حلق میں پھنسنا، غصّ المجلسُ بالحضور: مجلس حاضرین سے بھر گئی۔

زاحم مزاحمة (مفاعلة): تنگ کرنا، مقابلہ کرنا۔

منكب ج منكب: شانہ،کندھا، پہلو، گوشہ۔

مثقف: درست کیا ہوا نیزہ، ثقف الرمح: نیزہ کو سیدھا کرنا۔ (شاعری میں مُثَقَّف بول کر نیزہ مراد لیا جاتا ہے)

جنح الليل : رات کا حصہ، تاریکی

زحف زحفاً و زحوفاً (ف): آہستہ چلنا، گھسٹنا، پیش قدمی کرنا۔

الحصى : کنکڑیاں، بھاری تعداد۔

الشوك ج أشواك: ہتھیار، (کیل کانٹا)

ثعلب، ج ثعالب: نیزے اور بھالے کا بالائی حصہ، نوک، پھل۔

الخطيُّ ، (واحد) الخطيّة: الخط: بحرین میں ایک جگہ کا نام جہاں نیزے بنتے اور بکتے تھے، یعنی خط کے بنے ہوئے نیزے۔

حمرٌ (واحد) حمراء : سرخ۔

خِدْرٌ : مکان کے اندر پردے میں رہنے کی مخصوص جگہ (کمرہ)۔

الشمس فى خدر أمهالم تطلع بعد : سورج ہنوز طلوع نہیں ہوا۔

الطلُّ: شبنم۔

جرى جرياً جرياناً (ض): دوڑنا رواں ہونا۔

ذاب ذوبا و ذوباناً (ن): پگھلنا، گھلنا

المثلبة ج المثالب: عیب، ننگ وعار۔

مُثارٌ (من أثاراثارةً (افعال): وہ چیز جو اڑائی گئی ہو، گرد وغبار۔

تهاوى ،تهاوٍ: (تفاعل): گرنا

الفَجْأَةُ، و الفُجَاءَ ةُ: اچانک۔

خفق خفقاناً (س ، ن): پرچم کا لہرانا، دل کا دھڑکنا، پھڑ پھڑانا۔

سبيئة ج سبائب: جھنڈے، علم۔

لاذ ، يلوذ (ن): پناہ لینا

اشعار کا ترجمہ:

١– اذا كنتَ فی كُلِّ الأمورِ مُعَاتِباً صديقَكَ لم تلق الذی لا تُعَاتِبُهُ

١) اگرتم سارے کاموں میں اپنے دوست کو برا بھلا کہتے رہوگے تو تم دنیامیں کوئی انسان ایسا نہ پاؤگے (جس کے اندرعیب نہ ہو)اورتم اس کو برا بھلا نہ کہو۔

٢– فَعِشْ واحدا أو صِلْ أخاك فَإنَّه مُقارِفُ ذَنْبٍ مَرَّةً و مُجَانِبُهُ

٢) پھرتوتم تنےتنہازندگی گزارو، یااپنے دوست سے یاری رکھو، ہاں وہ کبھی غلطی کر بیٹھے گااور (کبھی) غلطیوں سے کنارہ کش بھی رہے گا۔

٣– اذا أنتَ لم تشربْ مِراراً علی القَذَی ظَمِئْتَ،و أیُّ الناس تَصْفُو مَشَارِبُهُ

٣) ہر بار اگرتم پانی اس لیے نہ پیوگے کہ اس میں تنکا پڑا ہے، توتم پیاسے رہ جاؤگے۔کون آدمی ہے جس کے پانی پینے کی جگہ (خواہشات دنیا) ہمیشہ خوشگوار رہتی ہے۔

٤– اذا المَلِكُ الجبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهُ مَشَيْنَا اليه بالسيوفِ نُعَاتِبُهُ

٤) جب ظالم بادشاہ اپنا رخسار ٹیڑھا کرتا ہے (غرور کا اظہار کرتا ہے) توہم تلواریں لے کراس کی سرزنش کے لئے چل پڑتے ہیں۔

٥– تَغُصُّ به الأرضُ الفَضَاءُ اذا غَدَا تُزَاحِمُ أركانَ البلادِ مَنَاكِبُهُ

٥) جب ہمارالشکرصبح سویرے چل پڑتا ہےتو (اس کی کثرت سے) کھلی کشادہ زمین کھچا کھچ بھر جاتی ہےاور اس کے چہار گوشے پہاڑوں کے کونے کونے کو تنگ کر دیتے ہیں۔

٦– رَكِبنا له جَهْراً بِكُلِّ مُثَقَّفٍ و أبيَضَ يَسْتَسْقِي الدماءَ مَضَارِبُهُ

٦) ہم اس ظالم بادشاہ کے لئے عمدہ نیزوں اور چمکتی تلواروں، جن کی دھاریں خون کی پیاسی ہوتی ہیں، سے لیس ہوکر علانیہ سواری پر چل پڑتے ہیں۔

٧– و جيشٍ كَجُنْحِ الليلِ يَزْحَفُ بِالحَصَى و بالشوكِ و الخَطِّيِّ حُمْراً ثَعَالِبُهُ

٧) کتنےلشکر ہیں جو رات کی تاریکی میں بھاری تعداد میں ہتھیاروں اور نیزوں جن کے پھل (نوک) خون پینے کی وجہ سے سرخ ہوتے ہیں کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہیں۔

٨– غَدَوْنا له و الشمسُ فی خِدْرِ أُمِّها تُطَالِعُنَا و الطَّلُّ لم يَجْرِ ذَائِبُهُ

٨ ہم صبح سویرے روانہ ہوئے، حالانکہ سورج ابھی اپنی آغوش مادر میں بیٹھا (یعنی طلوع نہیں ہوا تھا) ہمیں جھانک رہا تھااور شبنم کے قطرے جو پتیوں پر جمے تھےابھی پگھلے نہ تھے۔

٩– بِضَرْبٍ يَذُوقُ الموتَ مَن ذَاقَ طَعْمَهُ و تُدْرِكُ مَن نَجَّى الفِرارَ مَثَالِبُهُ

٩) ہم وہ ضرب کاری لگاتے ہیں کہ جواسے کھانا سمجھ کے کھاتا ہے، وہ موت کا ذائقہ چکھتا ہےاور بھاگ کر جو بچ جاتا ہےتو ننگ وعاراس کے ساتھ لگ جاتی ہے۔

١٠– كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهُ

گر رہے ہیں۔

۱۱ – بعثنا له مَوتَ الفُجَاءَة أنّنا   بَنُو الموتِ خَفَّاقٌ علينا سَبَائِبُهُ

۱۱)   ہم نے اس کے لے لئے اچانک ٹوٹ پڑنے والی موت بھیج دی، ہم فرزندانِ موت ہیں، ہمارے سامنے اس کے جھنڈے لہراتے رہے ہیں۔

۱۲ – فَرَاحُوا: فريقٌ فی الِاَسارِ و مِثْلُهُ   قتيلٌ و مثل لاذَ بالبحر هارِبُهُ

۱۲   سارے دشمن بھاگ کھڑے ہوئے، ایک گروہ قید ہوا، ایک گروہ مارا گیا، ایک تیسرا بھگوڑا گروہ سمندر کی پناہ میں آیا۔

تشریحی ترجمہ:

۱ – اذا كنتَ فی كُلِّ الأمورِ مُعَاتِباً   صديقَكَ لم تلق الذی لا تُعَاتِبُهُ

۱۔   انسان غلطیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ بے عیب صرف خدا کی ذات ہے۔ اگر انسان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے دوست کو برا بھلا کہنے لگے، تو ایک دن ایسا آئے گا کہ سب کے سب کٹ جائیں گے اور تو تنہا رہ جائے گا۔ لہذا دوست کو بہت زیادہ روک ٹوک اور برا بھلا نہ کہنا چاہئے۔

۲ – فَعِشْ واحدا أو صِلْ أخاك فَإنَّه   مُقارِفُ ذَنْبٍ مَرَّةً و مُجَانِبُهُ

۲۔   اگر تم ایسا دوست چاہتے ہو جس کے اندر کوئی عیب نہ ہو، تو پھر تنہا زندگی گزارو، یا پھر اپنے دوست کے ساتھ اچھا رویہ رکھو، تو وہ بھی تمہارے ساتھ اچھا رویہ رکھے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی تمہارے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہ ہو، تو تمہیں چشم پوشی سے کام لینا ہوگا۔

۳ – اذا أنتَ لم تشربْ مِراراً على القَذَى   ظَمِئْتَ، و أيُّ الناس تَصْفُو مَشَارِبُهُ

۳۔   زندگی تکدرات اور پریشانیوں سے عبارت ہے، کسی کے لئے ہمیشہ بہار ہی بہار نہیں بنی رہتی۔ زندگی نام ہے اتار چڑھاؤ کا۔ کبھی شیرینی کبھی کڑواہٹ، کبھی خوشی، کبھی رنج و غم۔ پانی میں تنکا پڑا ہو تو کیا تم پانی نہ پیو گے۔ پانی سے تنکوں کو دور کر کے پی لینا پیاسے رہنے سے تو بہر حال بہتر ہے۔

٤ – اذا المَلِكُ الجبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهُ   مَشَيْنَا اليه بالسيوفِ نُعَاتِبُهُ

۴۔   ہم ظالم و جابر بادشاہ کو زبان سے برا بھلا نہیں کہتے، ہم تو جنگ و پیکار اور تلوار کی دھار سے اس کی خبر لیتے

والے) کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دشمن کو خاک چٹا دیتے ہیں۔

٥–تَغُصُّ به الأرضُ الفَضَاءُ اذا غَدَا تُزَاحِمُ أركانَ البلادِ مَنَاكِبُهُ

٦–رَكِبنا له جَهْراً بِكُلِّ مُثَقَّفٍ و أبيَضَ يَستَسقِي الدماءَ مَضَارِبُهُ

۵-۶۔ ہمارے بہادر سپاہیوں کی کثرت تعداد کا حال یہ تھا ہے کہ میدانی زمینیں تنگ دامانی کا شکوہ کر رہی تھیں، پہاڑی علاقوں میں نشیب و فراز، تنگ اور کشادہ راہیں فوجوں سے پٹی تھیں۔

٧–و جيشٍ كَجُنحِ الليلِ يَزْحَفُ بِالحَصَى و بالشوكِ و الخَطِّيِّ حُمْراً ثَعَالِبُهُ

٨–غدونا له و الشمسُ فى خِدْرِ أُمِّها تُطَالِعُنَا و الظِّلُّ لم يَجْرِ ذَائِبُهُ

۷-۸۔ یہ وہ فوجی دستہ ہے جو رات کی بھیانک تاریکی کی مانند ہے۔حملہ کے لئے خطرناک ہتھیاروں سے لیس ہے۔دشمن کے مقابلے کے لئے سورج کے نکلنے سے پہلے بے تابانہ نکل پڑا ہے، حالانکہ وہ شبنمی قطرے جو رات کو گر کر پتیوں پر جم گئے تھے، وہ پگھلے بھی نہیں ہیں۔

٩–بِضَرْبٍ يَذُوقُ الموتَ مَن ذَاقَ طَعْمَهُ و تُدْرِكُ مَن نَجَّى الفِرارُ مَثَالِبُهُ

۹۔ فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں، دشمن کا جو بھی آدمی ہماری تلواروں کی ضرب کاری کی زد میں آیا، اس نے موت کا ذائقہ چکھا اور جو بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔شکست اور ننگ و عار اس کی پیشانی کا داغ بن گئی۔

١٠–كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهُ

۱۰ میدان جنگ سے اٹھتے ہوئے سیاہ رنگ کے غبار سے فضا تاریک سی ہو رہی ہے۔یعنی رات جیسا سماں ہے۔جہاں ہماری تلواریں دشمن کے سروں پر شعلہ بن کر گر رہی ہیں اور شہاب ثاقب کے آسمان سے ٹوٹ کر گرنے کی طرح سے چمک رہی تھیں۔

١١–بعثنا له مَوتَ الفُجَاءَةِ أنَّنا بَنُو الموتِ خَفَّاقٌ علينا سَبَائِبُهُ

١٢–فَرَاحُوا؛ فريقٌ فى الِاَسارِ و مِثْلُهُ قتيلٌ و مثل لاذَ بالبحر هارِبُهُ

۱۱-۱۲۔ (فخر کے ان اشعار میں شاعر اپنی انتہا اور عروج پر پہنچ کر کہتا ہے:)

ہم فرزندان موت اور شاہان عالم ہیں ہماری عظمت کے جھنڈے ہر جگہ لہراتے ہیں۔اس خاندانی مجد و شرف اور شجاعت و جانثاری کا نتیجہ دشمنوں کے لئے شکست و ہزیمت ہے۔جس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ دشمن کا ایک گروہ ہمارا قیدی بنتا ہے۔دوسرا گروہ میدان جنگ میں مارا جاتا ہے اور تیسرا گروہ سمندر کی پناہ ڈھونڈتا ہے (یعنی ڈوب مرتا ہے)۔

شاعر کا فکری پہلو:

بے وفا سے دور رہنے کی تلقین: یہ ایک طویل قصیدہ ہے، جس میں شاعر اپنی محبوبہ کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے دوست کی بے وفائی و بے رخی کا ذکر چھیڑتا ہے، اور رنگ بدلنے والے دوستوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکیمانہ طریقہ بتاتا ہے۔محبوبہ ہو یا دوست دونوں کو بے وفائی کے معاملے میں اُس انسان سے تشبیہ دیتا ہے جو محبت کے چمن میں بھنوروں کی طرح سے چکر لگاتے رہتے ہیں اور تازہ بہ تازہ پھولوں کا رس چوستے رہتے ہیں۔شاعر اس قماش کے انسانوں سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے

پھر مخلص دوست کے طور طریقے بتاتے ہوئے کہتا ہے:

سچے دوست کی پہچان: سچا دوست وہ ہے جسے معتوب بھی کرو تو وہ تمہارے ساتھ مخلصانہ رویہ اپناتا ہے۔ شکوک و شبہات راہ پا جائیں تو وہ اپنے دوست کو بے آبرو نہیں کرتا اور مصیبت میں ساتھ دیتا ہے۔ پھر شاعر بتاتا ہے کہ ایک مخلص کے ساتھ تمہارا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ یقیناً شاعر اپنے ابتدائی چار اشعار میں ایک دانا حکیم اور خیر خواہ بن کر صحیح مشورہ دیتا ہے۔

عقل مند را اشارہ کافی است: شاعر پہلے تین اشعار میں عقل و منطق کی باتیں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: دوست عقل مند ہے تو اشارہ کافی ہے، بار بار ٹوکنے اور برا بھلا کہنے کی ضرورت نہیں ہے، عربی زبان کا محاورہ ہے: أرسل الحکیم و لا توصیه، کسی کام کے لئے کسی عقل مند کو بھیجو اور اُسے زیادہ مشورے مت دو۔ ہر لغزش پہ ٹوکنے کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک دن وہ ساتھ چھوڑ دے اور تم یکا اور تنہا رہ جاؤ گے۔

دنیا کی مثال پانی کی سی ہے: شاعر کہتا ہے دوست کے ساتھ وہی برتاؤ کرو، جو برتاؤ تم دنیا سے چاہتے ہو۔ دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ یہاں صاف شفاف پانی بھی مہیا ہے اور کائی، جھاگ اور کوڑا کرکٹ سے معمور پانی بھی۔ کیا صاف ستھرا پانی مہیا نہ ہو تو جھاگ والے پانی کو صاف کر کے پی نہیں سکتے ؟!

خیال کی بلندی:

نویں تا بارہویں اشعار میں شاعر کی فکری بلندی اور تخیل کے پرواز پر نظر ڈالئے۔

بِضَرْبٍ یَذُوقُ الموتَ مَن ذَاقَ طَعْمَهُ و تُدرِكُ مَن نَجَّى الفِرارُ مَثَالِبُهُ

كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُه

بعثنا له مَوتَ الفُجَاءَةِ أنَّنا بَنُو الموتِ خَفَّاقٌ علينا سَبَائِبُهُ

فَرَاحُوا:فريقٌ فی الِاَسارِ و مِثْلُه قتيلٌ و مِثلٌ لاذَ بالبحر هارِبُهُ

دشمن جب میدان جنگ میں شکست کھا جاتا ہے تو تین ہی چیزوں میں سے کوئی ایک بات پیش آ کر رہتی ہے:

۱۔ قتل و غارت گری۔

۲۔ قید و بند کی ذلت و رسوائی۔

۳۔ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کا بدنما داغ۔

قابل ذکر بات یہ ہے شاعر اپنی فکر و تخیل کی طاقت سے پیش آمدہ تینوں قسموں کا احاطہ کر لیتا ہے، ہر چند کہ اس فکر میں کوئی نیا پن نہیں ہے، خود جاہلی دور کا شاعر زہیر ابن ابی سُلمیٰ کہہ چکا ہے:

فان الحقَّ مَقْطَعُهُ ثلاثٌ يمينٌ، أونَفَارٌ، أوجَلاءُ

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ حق کے حصول اور حق تک رسائی کے تین ہی طریقے ہیں:

۱- حلفیہ قسم: (الحلف علی المدعی ، و الیمین علی من أنکر)

۲- حاکم وقت سے فیصلہ کروانا۔

۳- حقیقت کا خود کسی طریقے سے ظاہر ہو جانا۔

قرآن کریم میں بھی یہ اسلوب موجود ہے:

هـوالذی یریکم البرق خوفا و طمعا(الرعد:۱۲)وہی ہے جوتمہارے سامنے بجلیاں بھی چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کرتمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں۔

بشار کے ان اشعار میں موضوع کا احاطہ اور اس کا استقصا ہے۔ بیشتر حالات میں شاعر اپنے فکری استقصا کا ثبوت دیتا ہے، یہ زمانے کا رنگ بھی ہے اور یہ اس کی گہری عصری ثقافت کی دَین بھی۔

البتہ زہیر کے بیانیہ کے مقابلے میں بشار کے یہاں حسن بیان کی چاشنی اور فنی جمال کی جاذبیت بڑھی ہوئی ہے، جبکہ زہیر کے یہاں ان حکیمانہ باتوں کو ایجاز کی خوبی کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔

تقلید وتجدد کا امتزاج:

چوتھے شعر میں شاعر اپنے کلام میں روایت پسندی (تقلید) اور تجدد پسندی کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔

اذا المَلِكُ الجبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهُ مَشَيْنَا اليه بالسيوفِ نُعَاتِبُهُ

ابونواس نے اس شعور میں، جاہلی دور کے شاعر المتلمس کی کھلم کھلا تقلید کی ہے، المتلمس نے کہا تھا:

كنااذا الجبارُ صَعَّر خَدَّه أقمنا له ميلَه فتقوَّما

بشار نے پہلے مصرعہ کو تو مکمل نقل ہی کر دیا ہے، تاہم اس کے شعر میں جو نئی چیز ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے مصرعہ میں المتلمس نے جو بات کہی تھی کہ:

أقمنا له ميله فتقوما (ہم نے اس کی کجی کو درست کیا تو وہ درست ہوگئی) اس میں اس نے ظالم دشمن کو دھمکی تو دی، مگر اس نے اصلاح کے عمل کو مبہم رکھا۔ پھر اس اصلاح کے لئے قول وفعل دونوں طریقوں کی گنجائش باقی رکھی تھی۔

مگر بشار بن برد چونکہ ایرانی نژد ومزاج کا شاعر ہے، اس کے طریقہ اصلاح میں مبالغہ کی شدت بھی ہے اور اعتدال سے تجاوز بھی۔ اس لئے اس نے صاف اور دوٹوک لفظوں میں بذریعہ جنگ وجدال اور بواسطۂ سیف وسنان اصلاح کی بات کی ہے اور اس نے دوسری راہیں مسدود رکھیں۔ چنانچہ اس نے کہا: مشينا اليه بالسيوف نعاتبه ۔ہم تلواریں لے کر آئیں گے اور اس کی سرزنش کریں گے۔ اس شدت (مبالغہ) میں اس کے مزاج کی عکاسی ہو رہی ہے، جو اس کی نفسیات کا مظہر اور اس کے لاشعور کا حصہ بھی ہے۔

تصویر فنی:

بشار نے شاعری کو مالا مال ہی نہیں کیا، بلکہ انوکھے تخیل سے شاعرانہ خیال کو پرواز عطا کیا۔

كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهُ

☆ یہ شعر تشبیہ تمثیلی کی عمدہ مثال ہے، اس میں شاعر نے اپنی تصور گری اور خیال آفرینی کا شاہکار نمونہ پیش کر دیا ہے، یہ وہ نادر خیال ہے جسے اس سے پہلے اب تک کسی نے پیش نہیں کیا۔ متنبّی نے بہت زور لگایا، مگر اس بلندی تک ہرگز نہ پہنچ سکا، جہاں تک بشار بن برد کی رسائی ہوئی۔ متنبّی کا شعر دیکھئے:

يزور الأعادي في سَماءٍ عَجَاجَةٍ أسِنَّتُه في جانبيه الكواكبُ

وہ گرد وغبار سے پٹے آسمان میں دشمنوں سے ملتا ہے۔اس کے دونوں پہلوؤں میں اس کے نیزے ستارے ہوتے ہیں۔
غور کیجئے ستاروں میں چمک دمک تو ہے مگر یہ ستارے جامد ہیں۔
بشار کے شعر میں سارا حسن و جمال اور تصویر و تشبیہ کی خوبیاں ایک لفظ 'تھاوی' میں سمٹ آئی ہیں۔
یہ لفظ اس نے کواکب کے لئے استعمال کیا ہے اور کواکب وہ تلواریں ہیں جو میانوں سے باہر آ رہی ہیں، دشمن کے سروں کو اڑا رہی ہیں، فضاؤں میں لہرا رہی ہیں، آپس میں ٹکرانے سے چنگاریاں اڑ رہی ہیں اور مختلف شکلوں میں حرکت کر رہی ہیں۔
متنبّی کے شعر میں یہ حرکت ہے، نہ تگ و تاز، اس کی تلواریں برق و رعد بن کر دشمنوں کے سروں پر گرنے کا تصور نہیں دیتیں۔

☆ ساتویں شعر میں شاعر نے بہت عمدہ اور فطری تصویر گری کی ہے۔لشکر جرار جب میدان کارزار کی طرف پیش قدمی کر رہا ہوگا تو جس قدر جنگجوؤں، ہتھیاروں اور ساز و سامان کی کثرت ہوگی اسی قدر وہ لشکر سست رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہوگا۔

☆ آٹھواں شعر تخیل کے پردے میں جو تصویر ابھارتا ہے، وہ کچھ یوں ہے کہ لشکر صبح تڑکے کوچ کے لئے روانہ ہو چکا ہے، سورج نے ابھی کائنات کو اپنا مکھڑا نہیں دکھایا ہے، لیکن گھروں کے اندر کئی پردہ نشین خواتین جو چلمن کی اوٹ سے باہر کی دنیا کو تاک رہی ہوں گی، کچھ اسی انداز سے سورج کی روشن لکیریں نمودار ہو رہی ہیں۔ان لکیروں میں حرارت نام کی نہیں ہے۔کیونکہ پتیوں اور پنکھڑیوں پر شبنم کے قطرے، جو ٹھنڈک سے جم گئے ہیں وہ ابھی تک پگھلے تک نہیں ہیں۔

☆ قصیدہ میں جذبات کی عکاسی اپنے جوبن پر ہے، جنگوں کا وصفیہ بیان ہے، تمکنت اور فخر و غرور کا اظہار ہے۔دشمن پر فتح و کامرانی حاصل کرنے کے نتیجے میں سرور و شادمانی کے عمومی ماحول کی عکاسی ہے، جو نہایت بلیغانہ موثر اور جذباتی اسلوب میں سامنے لایا گیا ہے، جس میں لفظوں کا انتخاب موزوں ہی نہیں ہے، بلکہ ان الفاظ کا دروبست اس قادر الکلام شاعر کی فطری شاعری میں کچھ ایسا ہے جیسے کسی صنف نازک کے فنکارانہ ہاتھوں سے موتی پرونے کا عمل۔

خلاصہ

علمی نشونما:

بشار بن برد کی علمی نشونما بصرے میں بنی عقیل کے خاندان اور مربد کے ادبی سرگرمیوں کے ماحول میں ہوئی، جس سے اس کے اندر عربی زبان و ادب کا عمدہ سلیقہ پیدا ہوا۔وہ پیدائشی طور پر نابینا تھا، قدرت ایسے لوگوں کو بینائی کے عوض میں بھی ذہانت اور قوت حافظہ دے دیتی ہے، بشار ایسے ہی ذہین لوگوں میں تھا۔

شخصیت:

بشار بن برد کی شخصیت (زبان و ادب، شاعرانہ کمالات اور فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کے علاوہ) کسی حیثیت سے پسندیدہ نہیں کہی جا سکتی۔

جیسا تنومند جسم لئے ہوئے تھا۔اس کے اندر باطنی خوبیاں تلاش کریں تو سوائے برائیوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر خوبی نہیں پائی جاتی۔دینی زبان میں کہیں تو اعلی درجے کا فاسق، فاجر، زندیق، مائل بہ الحاد، شعوبیت کا علمبردار اور ابلیس کا ہم نوا۔

قدیم وجدید کا نمائندہ شاعر:

بشار قدیم وجدید کا نمائندہ شاعر ہے۔اس کے قصائد میں روایتی رنگ بھی ہے اور خمریات اور غزلیات میں جدت کی خوبو بھی ہے۔یقیناً اس نے شاعری کے دامن کو نئے موضوعات اور نئے معانی سے بھر دیا۔

مولدین کا امام:

بشار بن بُرد کو مولدین کا ویسا ہی امام تسلیم کیا گیا ہے، جیسے امراء القیس کو جاہلی دور کے شعرا کا اور محمود سامی بارودی کو دور حاضر کے شعرا کا امام مانا گیا ہے۔اس کے کلام کو جاحظ، ابوعبیدہ، اصمعی جیسے ارباب فن نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

بشار کے قصیدے کے بنیادی نکات

- زیادہ روک ٹوک کرنے سے انسان کے اندر ردعمل پیدا ہوتا ہے (پہلا شعر)۔
- پسندیدہ، کارآمد اور مفید چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ناخوشگوار باتوں کو گوارا کرنا پڑتا ہے (دوسرا شعر)۔
- کسی کے لئے بھی دنیا ہمیشہ موسم بہار نہیں رہتی، بہار سے لطف اندوز ہونے کے لئے خزاں کے تھپیڑے برداشت کرنے پڑتے ہیں (تیسرا شعر)۔
- ظالم کے ظلم کو برداشت کرنا ہمارا شیوہ نہیں، ہم ایسے ظالم کو سبق سکھاتے ہیں اور خاک چٹاتے ہیں (چوتھا شعر)۔
- ہمارے بہادر جنگجوؤں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ کوہ ودمن میں بھی نہیں سما پاتے (پانچواں وچھٹا شعر)۔
- ہمارے بہادر سپاہی ہتھیار بند اور لاؤلشکر کے ساتھ علی الصباح نکل پڑتے ہیں (ساتواں اور آٹھواں شعر)۔
- جو ہماری تلواروں کی زد میں آتا ہے اسے موت کا مزا چکھانا پڑتا ہے، جو بھاگتا ہے وہ ذلت کا داغ لے کر بھاگتا ہے۔(نواں شعر)۔
- میدان جنگ میں اٹھتے غباروں نے سیاہ بدلیوں کی طرح رات کا سماں پیدا کر دیا ہے، جہاں ہماری تلواریں شہاب ثاقب (بمبار راکٹ) کی طرح سے شعلے اگل رہی ہیں۔(دسواں شعر)۔
- ہم فرزندان موت وشاہان عالم ہیں، ہمارے مقابلے میں دشمن کے لئے شکست مقدر ہے، جس میں وہ مارا جاتا ہے، یا پھر قیدی بن کر گرفتار ہوتا ہے، یا بھاگ کر سمندر میں ڈوب مرتا ہے۔(گیارہواں اور بارہواں شعر)
- ابتدائی تین اشعار میں شاعر ایک ایسے حکیم اور ناصح کے روپ میں سامنے آتا ہے جو زندگی کے طویل تجربات رکھتا ہے اور اپنی فکر وتخیل کے قیمتی جواہر پارے لٹاتا ہے۔(پہلا تا تیسرا شعر)۔
- دسویں شعر سے لے کر آخر تک کے اشعار میں میدان جنگ کی بہترین تصویر دکھائی گئی ہے، جہاں تلواروں سے شرارے ابل رہے ہیں جو لوگوں کی جانیں سلب کر رہی ہیں۔گیارہویں اور بارہویں اشعار میں بہادروں کا انداز فخر وتمکنت عروج پر ہے۔

سوالات:

سوال: ۱ بشار بن برد کے خاندانی پس منظر اور اس کے تعلیمی زندگی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں؟

سوال:۲ بشار بن برد کی دینی اور معاشرتی شخصیت کو اجاگر کیجئے؟

سوال:۳ بشار بن برد کی محبت اور عاشقانہ رنگ تغزل کے نمونے اس کے کلام کی روشنی میں پیش کریں؟

سوال:۴ کن اوصاف وکمالات کی وجہ سے بشار بن برد کو مولدین کا امام تسلیم کیا گیا ہے؟

سوال:۵ بشار بن برد کے کلام کا جو نمونہ آپ نے پڑھا ہے، اس کے کم از کم تین عنوانات مقرر کریں؟

سوال:۶ نمونے (نصوص) میں سے کم از کم پانچ اشعار اپنی کاپی پر لکھ کر ان کا مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔ اوران پر اعراب ضرور لگائیے؟

سوال:۷ نمونے کے ان اشعار کی روشنی میں تین حکیمانہ اور ناصحانہ باتیں لکھیے؟

سوال:۸ کیا بشار بن برد روایت پسند شاعر ہے یا تجدید پسند؟ یا دونوں باتیں اسی میں جمع ہیں؟ اشعار کی روشنی میں جواب دیں؟

سوال:۹ كأنّ مُثَارَ النَّقْعِ فوقَ رُؤُسِنَا و أسيافَنَا ليلٌ تَهَاوَى كواكبُهُ

شاعر نے اس شعر میں کیا ادبی جمال اور فنی تصویر پیش کرنا چاہا ہے؟ آپ اجاگر کریں؟

سوال۱۰ نمونے کے اشعار میں شاعر نے جذبات کی عکاسی کے لئے کون کون سے الفاظ اور جملے استعمال کئے ہیں؟ چند الفاظ اور چند جملوں کی طرف اشارہ کیجئے۔

مراجع

بشار بن بر د شعره و اخباره از: حسنین القرنی

الأغانی، جلدسوم از: ابوالفرج الاصفہانی

بشار بن بر د از ازطہ الحاجزی

بشار بن بر د از: احمد حسین منصور

بشار بن بر دو دلالة شعر علی نفسیته از: اسماعیل مظہر

بشار بن بر د از: ابراہیم عبدالقادر مازی

بشار بن بر د از عمر فروخ

تاریخ الأدب العربی الأعصر العباسیة از عمر فروخ

تاریخ الأدب العربی از حنا فافوری

مقدمه دیوان بشار بن بر د از محمد طاہر بن عاشور

اکائی ۳: ابوالعتاہیہ: تعارف

خاندانی پس منظر

خاندانی پیشہ اور اس کا نفسیاتی اثر

خداداد صلاحیت

ایرانی ادب سے واقفیت

ناقص تعلیم و تربیت

نوجوان برتن کے کارخانے میں

مشہور مغنی ابراہیم موصلی کے ہمراہ

ابوالعتاہیہ مہدی کے دربار میں

ابوالعتاہیہ کی بخت یاوری

کیا ابوالعتاہیہ مانویت سے متاثر تھا

ابوالعتاہیہ اور اس کا بخل

حلیہ

اصناف سخن

شاعرانہ خصوصیات

النصوص الأدبية لأبى العتاهية

الفاظ و معانی

ترجمہ

اشعار کی تشریح

اسلوب

منطقی وحدت کا فقدان

فنی تناظر میں

ناقدین کی رائے

ابوالعتاہیہ کی زہدیات کا خلاصہ

دنیا اور اس کی بہار

موت کے معاملے میں انسان کا رویہ

لوگ زہد و تقوی اپنائیں

کیا ابوالعتاہیہ کے خیالات میں مثبت پہلو نہیں ہے؟

ابوالعتاہیہ کا امتیاز
اخلاق وحکمت
یہ کمزور عقیدہ کا آدمی ہے
اس کے کلام کی ادبی شان
زہدیات ایک بے کراں سمندر ہے
''زہدیات'' کا امام
ابوالعتاہیہ کی حقیقت کیا تھی
خلاصہ
سوالات
مراجع

اکائی-۳ أبو العتاهية: تعارف

خاندانی پس منظر:

ابوالعتاہیہ اسماعیل بن قاسم بن سوید بن کیسان، حجاز میں انبار کے قریب ''عین التمر'' نامی مقام پر ۱۳۰ھ بمطابق ۷۴۸ء میں پیدا ہوا، اس کا باپ قبیلہ عنزہ بن ربیعہ کا غلام ایک نبطی شخص تھا اور ماں بنوزہرہ کی باندیوں سے تعلق رکھتی تھی۔ مذکورہ مقام میں وسائل معیشت تنگ ہوئے تو ابولعتاھیہ کا خاندان کوفہ منتقل ہوگیا۔

ابوالعتاھیہ جوانی کے قریب پہنچا تو مخنّثین کی جماعت میں شریک ہوکر ہاتھ پیر رنگ لئے اور زنانہ لباس استعمال کرنا شروع کردیا۔اس انحراف اور بے راہ روی کے بارے میں تذکرہ نویسوں کا کہنا ہے کہ خاندان کی غربت اور شکل وصورت کی خرابی کے باعث ابوالعتاھیہ نے ایسا کیا تھا، اسی سبب سے اس کی ابتدائی زندگی بری نظر آتی ہے۔

خاندانی پیشہ اور اس کا نفسیاتی اثر:

کوفہ میں اپنا خاندانی پیشہ سیکھتے ہوئے ابوالعتاھیہ نے پرورش پائی، جو کمہار کا پیشہ تھا، چنانچہ وہ مٹی کے برتن بنانے لگا، انہیں رسی کی بنی ہوئی جالی میں بھر کر کوفہ کی گلیوں میں اٹھائے لئے پھرتا اور آوازیں لگا کر بیچتا تھا۔ظاہر ہے معاشرے میں اس پستی کا احساس اس کی زندگی میں آگے چل کر تلخیاں پیدا کر گیا۔ارباب حکومت اور اصحاب ثروت کے خلاف بھی اس کے دل میں نفرت پائی جاتی تھی، اسی کا ردعمل ہمیں اس کی حرص وطمع اور دولت جمع کر کے بخل کے ساتھ زندگی گزارنے کے مزاج میں نظر آتا ہے۔

خداداد صلاحیت:

لیکن اس کے ساتھ ہی اسے شاعری کا بڑا شوق تھا اور ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔بشار بن برد کی طرح اُسے بھی شاعری کا ملکہ خداداد طور پر ملا تھا۔وہ بے تکلف از خود شعر موزوں کرتا تھا۔کبھی اثنائے گفتگو وہ ایسی موزوں اور مقفی بات کہتا جسے لوگ تو نثر ہی سمجھتے، لیکن وہ شعر ہوتی تھی، ایسا اس لئے ہوتا تھا کہ اس کی طبیعت میں شاعری کا ملکہ راسخ ہو چکا تھا حتی کہ وہ خود اپنے متعلق کہا کرتا تھا:

''اگر میں چاہوں کہ اپنی ہر بات شاعری میں کہوں تو یہ بھی میرے لئے ممکن ہے''۔

یہ بات کہ شاعری اکتسابی ہنر نہیں بلکہ خداداد صلاحیت اور موزوں طبیعت پر منحصر ہے، ایک حقیقت ہے، جس کی تائید اس شاعر کی زندگی سے ہوتی ہے، جو فن عروض وقوافی سے یکسر نابلد تھا۔

ایرانی ادب سے واقفیت:

مانویت سے تعلق کے نتیجہ میں فارسی ادب سے اسے واقفیت ہوئی اور ایرانی ادب کی بہت سی حکیمانہ باتوں کو اس نے اپنے اشعار میں استعمال کیا۔اس کا ایک قصیدہ ''ذات الامثال'' اس سلسلہ میں مشہور ہے، جس میں اس نے نظریہ خیر وشر کی تشریح کی ہے۔

ناقص تعلیم وتربیت:

کوفہ میں شہرت کے بعد ابوالعتاہیہ کی آمدورفت شعرا، علما اور متکلمین کے حلقوں میں شروع ہوئی، اس کی وجہ سے اس کو عربی زبان میں ایک حدتک پختگی حاصل ہوگئی۔ متکلمین کے مختلف مذاہب کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی، مگر طبیعت کی پراگندگی اور تلون مزاجی کے سبب کسی ایک رائے پر جم نہ سکا۔ افلاس کی وجہ سے اسے کبار شعرا سے استفادے کا موقع نہ ملا، اس کا دورِ جوانی آوارہ مزاج شعرا کے درمیان گزرا، لیکن اسی دور میں اس نے اپنی غزل گوئی اور خمریات کی بدولت شہرت پائی۔

نوجوان برتن کے کارخانے میں:

جب ابوالعتاہیہ کی شاعری کوفہ کے نوجوانوں اور ادبی ذوق رکھنے والوں نے سنی تو وہ اس کے برتن کے کارخانے میں اس کے پاس جانے لگے اور اس سے اس کی شاعری سے استفادہ کرنے لگے۔

مشہور مغنی ابراہیم موصلی کے ہمراہ:

اسی دوران ابوالعتاہیہ کا تعلق ابراہیم موصلی سے ہوا جو اس وقت کا اُبھرتا ہوا موسیقار تھا، تلاش معاش میں دونوں بغداد گئے، ممکن ہے وہاں ان کو کامیابی حاصل ہو۔ ابراہیم موصلی نے تو بغداد پہنچ کر اپنی مراد پالی، مگر ابوالعتاہیہ کی امید بر نہ آئی، چنانچہ وہ کوفہ واپس ہوتا ہوا حیرہ پہنچا۔ یہاں بنومعن بن زائدہ کی حسین وجمیل لونڈی سُعدیٰ سے اس کی ملاقات ہوئی، ابوالعتاہیہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا اور اس سے متعلق کچھ اشعار بھی کہے، لونڈی کے آقا عبداللہ بن معن نے اس کو اس سے روکا، اس پر اس نے عبداللہ کی ہجو کر ڈالی، جس کے نتیجہ میں اس کو کوڑے کھانے پڑے۔

ابوالعتاہیہ مہدی کے دربار میں:

حیرہ سے ابوالعتاہیہ کوفہ پہنچا، لیکن یہاں زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابراہیم موصلی نے جسے بغداد میں خلیفہ مہدی کا قرب حاصل ہو چکا تھا، اُسے بغداد بلالیا۔ ابوالعتاہیہ کی مدح اور اس کے دیگر اشعار سے بادشاہ محظوظ ہوا اور اسے انعام واکرام سے نوازا، اس طرح اس نے دربار میں بڑی عزت پائی اور اس کی بعض کنیزوں سے میل جول کا موقع ہاتھ آیا، لہذا ان میں سے ایک نوجوان کنیز "عُتْبَــہ" جو مہدی کی بیوی رائطہ بنت السفاح کی لونڈی تھی کو دل دے بیٹھا، اس کے عشق میں بہت سے اشعار کہے، لونڈی اس کو ناپسند کرتی تھی، اس لئے اپنی مالکن سے شکایت کی، اس نے خلیفہ کو بتایا، تو خلیفہ نے ابوالعتاہیہ کو سو کوڑے لگوا کر قید کردیا۔

یزید بن منصور حمیری نے سفارش کر کے ابوالعتاہیہ کو آزاد کرادیا۔ لیکن وہ وقتاً فوقتاً اس لونڈی سے متعلق اشعار کہہ کر اپنی محبت کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ اس کیفیت سے ناراض ہوکر خلیفہ مہدی نے اس کو 'انّك انسـانٌ مُعَتَّـهٌ' کہہ کر پکارا یعنی تم حواس باختہ انسان معلوم ہوتے ہو۔ اسی کے بعد سے اس کا لقب ابوالعتاہیہ ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اوپری دل سے محض تصنع کے طور پر اس لونڈی کا ذکر کرتا تھا تاکہ اس کا چرچہ لوگوں میں جاری رہے، ورنہ سچ مچ کی محبت اس کو اس سے نہ تھی۔

ابوالعتاہیہ کی بخت یاوری:

۱۶۹ھ میں الھادی خلیفہ ہوا تو ابوالعتاہیہ اس سے بھی وابستہ رہا۔ پھر ۱۷۰ھ میں ہارون رشید کی خلافت کا زمانہ شروع ہوا جو ۱۹۳ھ تک جاری رہا، ابوالعتاہیہ رشید کا درباری شاعر بن گیا، ہمیشہ اس کے ساتھ لگا رہتا تھا اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ رشید نے ابوالعتاہیہ کے لئے پچاس ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ انعامات و نوازش اس کے علاوہ تھی۔ خلیفہ کے علاوہ دوسرے حکام و ذمہ دار بھی ابولعتاہیہ کو نوازتے رہتے تھے، یزید بن مزید شیبانی نے ایک مرتبہ ابوالعتاہیہ کو ایک قصیدہ پر دس ہزار درہم انعام دیا تھا۔

دربار سے جیل تک:

ابوالعتاہیہ اسی طرح لہو ولعب اور عیش وآرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ پھر کیا ہوا کہ ابوالعتاہیہ نے دفعتاً غزلیہ شاعری چھوڑ کر راہبانہ وزاہدانہ شاعری شروع کر دی اور خوشحال زندگی چھوڑ کر زہد وتقشّف اختیار کر لی۔

ہارون رشید نے بہت کوشش کی کہ ابوالعتاہیہ اپنی سابقہ زندگی کی طرف لوٹ آئے اور شعر وشاعری ترک نہ کرے لیکن وہ تیار نہ ہوا۔ اس ہٹ دھرمی میں اس کو کوڑے کھانے پڑے اور جیل میں جانا پڑا، البتہ جیل سے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ ہارون رشید سے معذرت خواہی اور منت کی درخواست کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کا دل نرم پڑ گیا اور اس نے اس کو رہا کر دیا، رہائی کے بعد اس کی شاعری میں زاہدانہ اشعار کی کثرت ہوگئی اور ان میں موت وفنا، ثواب وعقاب اور مکارم اخلاق کی جانب دعوت کا عنصر غالب نظر آنے لگا۔

کیا ابوالعتاہیہ مانویت سے متاثر تھا؟:

ابوالعتاہیہ کی زندگی میں زہد وورع کا جو دور بعد میں آیا اس کے بارے میں اس کے معاصرین کی رائیں مختلف ہیں۔ اکثر لوگوں نے اسے مانوی مذہب سے متاثر ہونے کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے: ایسا لگتا ہے کہ ابوالعتاہیہ اسلامی عقیدہ اور مانویت کے مابین تطبیق کی کوشش کر رہا تھا۔ حقیقت جو بھی ہو، اس نے اپنی زہدیات اور مواعظ سے موت کا بھیانک نقشہ دکھایا ہے، اس کا روئے سخن چونکہ عوام تھے (نہ کہ خلفا ووزرا) اس لئے اُنہوں نے اس کی شاعری کی بڑی پذیرائی کی اور خوب سراہا۔

ناقدین نے اس کے زہد کو مبنی بر اخلاص باور کرنے میں تامل کیا ہے، اس حوالے سے ابولعلا نے ابوالعتاہیہ کو 'داھیہ' یعنی ہوشیار اور چالاک شخص سے تعبیر کیا ہے۔

ابوالعتاہیہ اور اس کا بخل:

بعض ناقدین نے لکھا ہے کہ ابوالعتاہیہ کو خلفا سے وظیفہ وانعام کی شکل میں غیر معمولی دولت ملتی تھی۔ لیکن وہ اس کو خرچ کرتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ زہد ظاہری تھا، باطن میں وہ دنیا اور متاع دنیا کا طلب گار تھا اور پوری زندگی اسی طلب پر جما رہا۔ جماز مشہور شاعر سلم الخاسر کا بھانجا تھا، ایک موقر مجلس میں اس نے ابوالعتاہیہ کو اپنے ماموں کے یہ دو اشعار سنائے:

ما أقبحَ التزهيدَ من واعظٍ　　يُزَهِّد الناسَ و　　لا يَزْهَدُ

لو كان في تزهيده صادقاً　　أضحَى و أمْسَى بيتَه المسجدُ

کسی ایسے واعظ کی طرف سے زہد کی تعلیم وتلقین کتنے عیب کی بات ہے، جو زہد کی تعلیم دیتا ہے، خود زہد کو اپنا تا نہیں ہے۔
۲.اگر زہد کی تعلیم دینے میں یہ سچا ہوتا تو صبح وشام مسجد میں ہوتا۔

حلیہ:

ابوالعتاہیہ کا رنگ گورا، بال سیاہ، گھنگھریالے، خوش وضع اور ایک شاداب وسدا بہار طبیعت کا مالک تھا، زبان کا شیریں، مذہب میں تلون، افکار وآرا میں اضطراب، دینیات کی تعلیم ناقص اور عقیدہ کا کچا تھا۔طبیعت میں بخل اور عجیب وغریب اخلاق کا مالک تھا، لوگوں نے اسے حیات اخروی کا منکر قرار دیا ہے، دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس کی شاعری میں موت وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن حیات بعدالموت کا تذکرہ نہیں ملتا۔وہ زندگی کے فانی ہونے کی بات تو بہت شدومد سے کرتا ہے، مگر جنت ودوزخ اور حساب وکتاب ندارد ہے۔

اس کی وفات ۲۱۰یا۲۱۱ھ مطابق ۸۲۵یا۸۲۶ء میں ہوئی۔

اصناف سخن:

ابوالعتاہیہ کے اشعار اس کی زندگی کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔ایک حصہ میں غزل اور خمریات کا زور ہے، تو دوسرے حصہ میں زہدوترک دنیا کا۔مدحیہ شاعری میں اس نے صحرا اور کھنڈرات کا ذکر بہت کم کیا ہے اور قدیم سنجیدہ اسلوب کی پیروی بھی زیادہ نہیں کی ہے، اس کی مدحیہ شاعری کا بڑا حصہ ہارون رشید سے متعلق ہے۔شاعر نے جنگ وصلح سے لے کر تمام مناسبتوں میں اس کی تعریف کی ہے اور خلیفہ کو متقی زاہد، اسلام کا محافظ وحامی اور دشمنوں کے لئے شمشیر براں قرار دیا ہے۔

مدحیہ قصائد: اس کے مدحیہ قصائد مہدی سے لے کر امین و مامون تک، تمام خلفا کی شان میں کہے گئے ہیں۔مہدی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

أتته الخلافةُ مُنقادةً اليه تُجرِّرُ أذيالَها

ولم تكُ تَصلُحُ الّاله ولم يك يَصلُحُ الّالَهَا

خلافت اس کے پاس طابع وفرمانبردار بن کر اپنے پائینچے گھسیٹتے ہوئے آئی، یہ خلافت صرف خلیفہ ہی کے لئے موزوں تھی اور خلیفہ بھی صرف خلافت ہی کے شان شایان تھا۔

ولو رامهاأحدٌ غيرُهُ

لَزُلزِلتِ الأرضُ زِلزالَها

اگر خلیفہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس خلافت کا ارادہ کرتا تو زمین میں زلزلہ آجاتا۔

ہجوگوئی: اس کی ہجویہ شاعری مقدار وکمیت میں اگرچہ زیادہ نہیں ہے، لیکن جو اشعار اس سلسلہ میں منقول ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس فن میں بھی پختہ تھا۔اس نے والبہ بن حباب کی ہجو شروع کی تو، اسے بھاگ کر کوفہ میں پناہ لینی

پڑی۔ابن المعتز کا بیان ہے کہ ابوالعتاہیہ ایک بار مامون کے منشی احمد بن یوسف کے پاس آیا، درباریوں نے اسے ملنے سے روک دیا تو ناراض ہوکر اس نے ہجو کر ڈالی۔

متی یَظفَرُ الغادِی الیك بحاجةٍ

ونصفُك محجوبٌ ونصفُك نائم

آپ کی خدمت سے کسی ضرورت سے علی الصباح آنے والا کب کامیاب ہوسکتا ہے، حال یہ ہے کہ آپ کے آدھے لوگ غائب اور آدھے لوگ سو رہے ہیں۔

یہ شعر اتنا مشہور ہوا کہ ہر آدمی اس کو گنگناتا رہتا تھا، یہاں تک کہ احمد بن یوسف نے پریشان ہوکر ابوالعتاہیہ سے معذرت کرلی کہ کہیں ہجو کا یہ سلسلہ چل نہ پڑے۔

مرثیہ گوئی: ابوالعتاہیہ کے متعدد مرثیے دیوان میں موجود ہیں چنانچہ اپنے ملحد دوست علی بن ثابت کی موت پر جو مرثیہ کہا وہ سوز و درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

فتیً لم یَمَلَّ الندَی ساعةً علی عُسرهِ کان، أو یُسرِهِ

أتَتهُ المَنِیَّةُ مُغتالةً رُوَیداً تخلَّل من سِتْرِهِ

یہ وہ جواں مرد ہے جو اپنی پریشانی کے عالم میں ہو، یا خوشحالی کی حالت میں، ایک گھڑی کے لئے بھی جود وسخا سے دل برداشتہ نہیں ہوا۔

موت اسے تباہ و برباد کرتی آ گئی اور وہ دھیرے دھیرے پردۂ وجود سے غائب ہوگیا۔

خمریات: خمریات کے سلسلہ میں اس کے زیادہ اشعار موجود نہیں ہیں، ممکن ہے کہ زمانہ کی دستبرد کا شکار ہوگئے ہوں۔

غزل گوئی: اس کے غزلیہ اشعار کا بڑا حصہ عتبہ کی محبت سے متعلق ہے۔اس کے غزلیہ قصائد میں بڑی نزاکت و لطافت ہے۔ابن قتیبہ کا قول ہے کہ ''ابوالعتاہیہ کی غزل نسوانی طبیعت سے ہم آہنگ ہے، اس میں عورتوں جیسا احساس ملتا ہے اور ان کی عادات و اطوار کی جھلک نظر آتی ہے۔شاعر ان کے سامنے گریہ وزاری اور دامن پسارے نظر آتا ہے۔دو اشعار ملاحظہ ہوں:

بسطتُ کَفِّی نَحوَ کم سائلًا ماذا تَردُّون علی السائل

ان لم تُنِیلُوه فقولوا له قولاً جمیلاً بدل النائل

سوالی بن کر میں آپ لوگوں کی خدمت میں اپنا ہاتھ پھیلا دیا، دیکھنا یہ ہیں کہ آپ سائل کو کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر آپ اسے کچھ عنایت نہیں فرماتے تو عطا و بخشش کے عوض بھلی بات کہہ دیجئے۔

زہد: غزلیات و خمریات کے بعد جب ابوالعتاہیہ زہد و تقشّف کی زندگی کی طرف مائل ہوا، تو اس کے اندر انقلاب آ گیا، اس نئی زندگی میں وہ تقریباً تیس سال تک موت و فنا اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر تا رہا، اس سلسلہ میں چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

لِدُوا للموت وَابْنُو للخَراب　　فَكُلُّكُم يصيرُ الى تَبَابِ

مرنے کے لئے پیدا کرو اور تباہ ہونے کے لئے تعمیر کرو، تم سبھوں کو ہلاکت سے دوچار ہونا ہے۔

الناس فی غفلا تهم　　ورَحَى المَنِيَّةِ تَطْحَنُ

كلُّ حَيٍّ عند مَيْتَةٍ　　حَظُّهُ من مالِهِ الكفنُ

لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور موت کی چکی پس رہی ہے (اپنا کام کر رہی ہے)۔

ہر زندہ انسان کو مرنے کے بعد اس کے مال کے حصے میں سے (صرف) کفن ملتا ہے۔

اس کے زاہدانہ اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حافظ بن عبدالبر نے اس موضوع پر اس کے اشعار پر مشتمل ایک دیوان جمع کیا ہے۔

شاعرانہ خصوصیات:

ابوالعتاہیہ فطری شاعر تھا، خوب صورت، سہل اور شیریں الفاظ کے انتخاب، قوافی کا برمحل استعمال اور تکلفات سے اجتناب کی وجہ سے اس کے کلامی میں غنائیت اور موسیقیت پائی جاتی ہے اور معانی میں لطافت ونزاکت۔ اس کی شاعری بحر زخار ہے۔ اس کے معروف بحور کے علاوہ کچھ اختراعی اوزان بھی ہیں۔ اس بابت جب اس سے کہا گیا کہ تمہاری شاعری عروض سے خارج ہو جاتی ہے، تو اس نے جواب دیا: ''میں عروض کی قیود سے بالاتر ہوں''۔

اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے اشعار میں صرف عوام اور عابدوں وزاہدوں ہی کو پیش نظر رکھا تھا۔ عیش وعشرت کی زندگی سے نکل کر زہد وتقشّف کی راہ اپنانے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاعر ان کے نہاں خانہ دل میں فروکش ہے اور انہیں کے احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس کے اشعار عقل ودل دونوں کو اپیل کرتے ہیں۔ ابوالعتاہیہ کا فنی کمال یہ ہے کہ وہ خشک موضوع کو بھی ایسے دلکش اور البیلے انداز میں پیش کرتا ہے کہ قاری کیف آگیں جذبات سے سرشار ہو جاتا ہے۔ یہ بشار اور ابونواس کی طرح مولدین شعرا کے طبقہ اول میں شمار کیا جاتا ہے، بلکہ ابونواس تو اسے اپنے آپ پر فوقیت دیتا تھا۔

اس کا اسلوب نہایت آسان، سلیس شگفتہ، سبک، عام فہم ہے، تکلف وآورد کی کمی اور موسیقیت وغنائیت سے معمور ہے۔ زاہدانہ شاعری کا اسلوب فطری طور پر وعظ ونصیحت ہی کی شکل اختیار کر گیا ہے اور وعظ کی طرح اس میں بھی تکرار ہے۔ امر، استفہام اور ندا کے الفاظ کثرت سے آئے ہیں۔

مجموعی طور پر اس کی حیرت انگیز شاعرانہ کامیابی کا راز اس کی زبان کی سادگی حلاوت، غنائیت اور بے ساختگی میں پوشیدہ ہے۔

النصوص الأدبية لأبى العتاهية

الخيرُ واالشرُّ عاداتٌ وأهواءُ — وقد يكون من الأحباب أعداءُ

لِلُحِلْمِ شاهدُ صِدُقٍ حين ما غضبٌ — وللحليم عن العورات اِغضاءُ

كلٌّ له سعيُهُ ،والسعىُ مختلفٌ — وكلُّ نفسٍ لها فى سعيها شاءُ

لكلِّ داءٍ دواءٌ عند عالمه — من لم يكن عالما لم يَدْرِ ما الدَّاءُ

الحمدُلله يقضى ما يشاء، ولا — يُقضَى عليه، وماللخلق ما شاؤوا

لم يَخْلُقِ الخلقَ الا للفناء معاً — نفنَى وتفنَى أحاديثٌ و أسماءُ

يا بُعْدَ من مات مِمَّن كان يُلطِفُهُ — قامت قيامتُهُ والناسُ أحياءُ

يُقصِى الخليلُ أخاه عند مَيتَتِهِ — وكل من مات أَقْصَتُهُ الأَخَلَّاءُ

لم تبك نفسُك أيامَ الحياةِ لما — تَخْشَى، وأنت على الأموات بكَّاءُ

أستغفرُ الله؟ مِن ذَنْبِى و من سَرَفِى — اِنِّى ، و اِنْ كنتُ مستوراً لخطَّاءُ

لم تَقْتَحِمُ بى دواعِى النفسِ معصيةٌ — الّا وبينى و بينَ النورِ ظَلُمَاءُ

كم راتِعٍ فى ظلالِ العَيشِ تَتْبَعُهُ — منهن داهيةٌ،تَرْتَجُّ دَهْيَاءُ

وللحوادث ساعاتٌ مُصَرَّفَةٌ — فيهن للحين اِدناءٌ واِقصاءٌ

كلٌّ يُنَقَّلُ فى ضِيقٍ وفى سَعَةٍ — وللزمان به شَدٌّ واِرخَاءُ

الفاظ ومعانی:

أهواء(واحد هوى): نفسانی خواہشات، رجحانات، میلانات۔

حلمٌ: صبر وتحمل، ضبط نفس، دوراندیشی۔

حليم : بردبار، صابر، دوراندیش۔

عورة ج عورات : ستر کا وہ حصہ جس کو شرم کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے، باعث شرم کام۔

أغضى اغضاء (افعال): چشم پوشی کرنا، بے توجہی برتنا۔

الشيئة : شاء کا اسم المشيئة کے معنی میں: ارادہ، رجحان۔

داءٌ ج أدواء : مرض، بیماری۔

قضی یقضی (ض) : فیصلہ کرنا، طے کرنا۔ لا یقضی علیه :اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

الفناء: موت، زوال۔

حدیث ج أحادیث: بات، کہانی، حکایت۔

ألطف الطافا(افعال): مہربانی کرنا۔

قامت القیامة : قیامت آ گئی۔

أقصی اقصاء (افعال): دور کرنا۔

الخلیل: جگری دوست، ساتھی۔

بکّاء: بہت رونے والا۔

سرف سرفا(س)القوم: تجاوز کرنا، اسراف کرنا (مراد بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرنا)

اقتحم اقتحاماً(افتعال): جان خطرے میں ڈالنا، دھاوا بولنا، بے پروا کود پڑنا۔

دواعی النفس: نفس کے محرکات۔

رتع رتعاً (ف): خوش حال زندگی گزارنا۔ راتع: مُتَنَعِّم: مزے کی زندگی گزارنے والا۔

داهیةٌ ج دواهی : بڑی مصیبت۔

ارتج ارتجاجاً(افتعال): ہلنا، سمندر کا متلاطم ہونا، کپکپانا، لرزنا۔

مُصَرَّفة: مدفوعة، سامنے کیا جانا۔

الحَین: موت، ہلاکت۔

أدنی ادناء (افعال): قریب کرنا۔

اقصی اقصاء (افعال): دور کرنا۔

شدٌّ: عسرٌ : تنگی، پریشانی۔

ارخاءٌ: یسر: آسانی خوشحالی (افعال)۔

ترجمہ

الخيرُ واالشرُّ عاداتٌ وأهواءُ　　　وقد يكون من الأحباب أعداءُ

۱۔ خیر (وبھلائی) عادات واخلاق کا نام ہے اور برائی نفسانی خواہشات کا نام۔ کبھی کبھی چاہنے والے دوست بھی دشمنی پر اتر آتے ہیں۔

لِلُحِلُمِ شاهدُ صِدُقٍ حين ما غضبٌ　　　وللحليم عن العورات اِغضاءُ

۲۔ بردباری اور دوراندیشی کا سچا اظہار تو غصہ کے وقت ہوتا ہے اور بردبار انسان نازیبا اور ناشائستہ باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے۔

كلٌّ له سعيُهُ ،والسعيُ مختلفٌ　　　وكلُّ نفس لها فی سعيها شاءُ

۳۔ ہر شخص اپنی سی کوشش کرتا ہے اور کوششیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص کی کوشش میں اس کی اپنی مرضی شامل ہوتی ہے۔

لكلِّ داءِ دواءٌ عند عالمه　　　من لم يكن عالما لم يدرِ ما الداءُ

۴۔ بیماری کو جاننے پرکھنے والے کے پاس ہر بیماری کا علاج ہے، جو نہ جانتا ہو، اُسے یہ بھی نہیں معلوم کہ بیماری کیا ہے؟۔

الحمدلله يقضى ما يشاء ولا　　　يُقضَى عليه، وماللخلق ما شاؤوا

۵۔ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے، جو جیسا چاہتا ہے فیصلے کرتا ہے، اس کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور مخلوق کو اپنی مشیت پر اختیار نہیں ہوتا۔

لم يخلق الخلقَ الا للفناء معاً　　　نفنَى وتفنَى أحاديثٌ و أسماءُ

۶۔ اللہ نے ساری مخلوقات کو صرف ایک ساتھ مرنے کے لئے پیدا کیا ہے، ہم مر جائیں گے اور ہماری باتیں اور نام (ونشان) مٹ جائیں گے۔

يا بُعُدَ مَن مات مِمَّن كان يُلطِفُهُ　　　قامت قيامتُهُ والناسُ أحياءُ

۷۔ ہائے مرجانے والے کی دوری! جو مہربان لوگوں میں تھا، اس کی تو قیامت آ گئی اور لوگ زندہ ہیں۔

يُقصِى الخليلُ أخاه عند مَيتَتِهِ　　　وكل من مات أَقُصَتُهُ الأخَلَّاءُ

۸۔ جگری دوست اپنے دوست کو مرتے ہی دور کر دیتا ہے اور ہر شخص جو مرتا ہے، دوست اسے دور ہی کر دیتے ہیں۔

لم تبك نفسُك أيام الحياة لما　　　تخشى، وأنت على الأموات بكّاءُ

۹۔ جن چیزوں سے تمہیں ڈر تھا زندگی میں تو تم ان پر کبھی نہیں روئے، اب مردوں پر تم آنسو بہا رہے ہو۔

أستغفرُ اللهَ مِن ذَنُبِى و من سَرَفِى　　　انّى ، و اِنُ كنتُ مستوراً لخطّاءُ

۱۰۔ میں اللہ سے بہت سارے گناہوں کے ارتکاب پر معافی کا خواستگار ہوں، میں بہت گنہ گار ہوں، اگرچہ میں چھپا ہوا (پردے میں) ہوں۔

لم تَقْتَحِمْ بی دواعِی النفسِ معصیةٌ الّا وبینی و بینَ النورِ ظَلْمَاءُ

۱۱۔ نفس کے جذبات نے مجھے معصیت کے خطرے میں کبھی نہیں ڈالا، ہاں اس وقت ڈالا جب میرے اور نور کے درمیان تاریکی حائل ہوگی۔

کم راتِعٍ فی ظلال العیش تَتْبَعُهُ منهن داهیةٌ،تَرْتَجُّ دَهْیَاءُ

۱۲۔ زندگی کے خوشگوار سایہ میں کتنے لوگ مزے کی زندگی گزارتے ہیں اور ان ہی سایوں میں سے اس کے پیچھے کوئی بڑی مصیبت حرکت کرتی آرہی ہوتی ہے۔

وللحوادث ساعاتٌ مُصَرَّفَةٌ فیهن للحین اِدناءٌ واِقصاءٌ

۱۳۔ حوادث کی کچھ گھڑیاں ہوتی ہیں جو سامنے لائی جاتی ہیں، ان اوقات میں موت یا تو قریب لائی جاتی ہے یا دور کردی جاتی ہے۔

کلٌّ یُنَقَّلُ فی ضِیقٍ وفی سَعَةٍ وللزمان به شَدٌّ واِرخَاءُ

۱۴۔ ہر شخص تنگی یا کشادگی کی حالت میں منتقل کیا جاتا ہے اور زمانہ اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتا ہے یا آسانی کا۔

اشعار کی تشریح

الخیرُ واالشرُّ عاداتٌ وأهواءُ   وقد یكون من الأحباب أعداءُ

۱۔ دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں؛ خیر اور شر،حق اور باطل،نیکی اور بدی۔انسان کی فطرت میں ان دونوں چیزوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔تاہم خیر کو اپنانے کے لئے علم،محنت اور سعی وکوشش کرنی پڑتی ہے۔اس کے بغیر خیر عادت ثانیہ نہیں بنتا۔عادت کے بعد اس میں معنویت پیدا ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں کسی بھی خیر وخوبی سے مزین ہونے کے لئے سخت ریاض کی ضرورت ہوتی ہے۔

شر اور بدی کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔شر کا تعلق چونکہ انسان کی بگاڑ اور فساد سے ہے۔اس کے لئے کسی بڑی کدوکاوش کی ضرورت نہیں پڑتی،نیکی اور خیر کا تعلق اصلاح،تعمیر اور انسان کی عظمت سے ہے،اس لئے وہ سخت محنت کا طالب ہوتا ہے۔ایک پرشکوہ عمارت کی تعمیر کتنا وقت،سرمایہ،محنت اور منصوبہ بندی چاہتی ہے،مگر اسے ڈائنامائٹ (زمیں بوس) کرنا ہو تو یہ کام کس قدر آسان ہے۔

خیر کی راہ خطرات سے لبریز بھی ہوتی ہے۔ابتلا وآزمائش بھی آتی ہے،مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے،ایسی نازک گھڑی میں قریبی دوست احباب نہ صرف ساتھ چھوڑ جاتے ہیں،بلکہ کبھی کبھی دشمن جاں بھی بن جاتے ہیں۔

للحلم شاهد صدق حین ما غضبٌ   وللحلیم عن العورات اِغضاءُ

۲۔ بردباری،ضبط نفس،دانش مندی انسان کی بہترین صفات ہیں۔الحلم:کی تشریح میں کہا گیا ہے:هو ضبط النفس عند هیجان الغضب ۔جب غیظ وغضب کے ہیجان کا موقع ہو،اس وقت ضبط نفس سے کام لینا۔غصہ وہ چیز جس میں انسان آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور توازن کھو دیتا ہے،اس وقت اس کا امتحان ہوتا ہے کہ بردبار انسان کہاں تک اپنے غصے پر قابو پاتا ہے۔اگر شتابی میں کوئی نازیبا حرکت کر بیٹھتا ہے،تو یہ بردباری کے خلاف ہوگا۔

ایسا بردبار انسان اپنے زیر اثر لوگوں کے ایک ایک نامناسب قول وعمل پہ نہیں ٹوکتا رہتا،بلکہ گریز سے کام لیتا ہے اور عقل مند کو خود سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔

كلٌّ له سعیُهُ ،والسعیُ مختلفٌ   وكلُّ نفس لها فی سعیها شاءُ

۳۔ ابوالعتاہیہ کا پورا دیوان اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ انسان جو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے،تو وہ مزے کرنے اور چین کی بنسری بجانے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔وہ کسی مقصد کے لئے سعی وکوشش کرنے اور اپنے مقصد کی راہ میں سختیاں جھیلنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ دنیا میں مختلف مذاہب،مختلف خیالات،مختلف فلسفوں کے ماننے والے ہوتے ہیں۔اس لئے ان کے مقاصد بھی جدا جدا ہوتے ہیں اور انہی مقاصد کے تناظر میں اپنی مطلب براری کے لئے سعی وکوشش کرتے ہیں اور سعی وکوشش کی نفسیات یہ ہے کہ جو محنت کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا۔

لكلِّ داءٍ دواءٌ عند عالِمِه   من لم یكن عالما لم یدرِ ما الداءُ

۴۔ صحیح حدیث میں فرمایا گیا:ما أنزل الله داء الا أنزل له دواء(أو شفاء) ۔اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی مگر اس کی دوا بھی پیدا کی،یا اس کے لئے شفا پیدا کیا۔

وہ ڈھونڈ لے گا،لیکن جس کو سرے سے اپنی بیماری کا احساس ہی نہ ہو،تو وہ کیسے اور کیوں نسخۂ علاج کو جانے گا؟ یا جاننے کی کوشش کرے گا؟ بلکہ وہ تو غفلت میں مبتلا رہے گا۔

الحمدلله يقضى ما يشاء ولا يُقضَى عليه، ومااللخلق ما شاؤوا

۵۔ اللہ جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزرتا ہے، کیونکہ وہ قادر مطلق ہے، دنیا میں کسی کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرلے، اس میں کوئی مانع اور مزاحم ہو سکے، یا خدا کوئی فیصلہ کرنا چاہے اور کوئی اس کے فیصلہ کی راہ میں آڑے آجائے، یا روک لگادے۔

لم يَخْلُقِ الخلقَ الا للفناء معاً نفنَى وتفنَى أحاديثٌ و أسماءُ

۶۔ اس کائنات میں اللہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں، وہ سب کی سب فانی ہیں۔لافانی، لازوال اور سرمدی ذات تو صرف ان مخلوقات کے خالق (اللہ) کی ہے، جس نے ان ناپید کنار عوالم (دنیاؤں) کو پیدا کیا، لہذا اللہ جس دم چاہے گا ساری مخلوقات، از آدمؑ تا قیامت سارے انسان، اس کا تمدن، ان کی تاریخ، اس کے کارنامے سب کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔

يا بُعْدَ من مات مِمَّن كان يُلطِفُهُ قامت قيامتُهُ والناسُ أحياءُ

۷۔ ایک مہربان، ایک مشفق ومحسن اور ایک خیرخواہ، عزیز وقریب جب موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے، تو حقیقت میں کتنا دور چلا جاتا ہے کہ دوبارہ پھر نظر نہیں آتا۔لیکن وہ جتنا دور بھی گیا ہو، اِدھر اس کی آنکھ بند ہوئی، اُدھر اس کی باز پرس شروع ہوگئی۔جنتیوں میں سے ہے تو اکرام واعزاز کا معاملہ ہو رہا ہے، جہنمیوں میں سے ہے، تو حوالات میں مجرموں کا سا مواخذہ ہو رہا ہے۔لہذا قیامت کبری جب بھی آئے، مر کر جانے والے کی قیامت کی شروعات تو مرتے ہی اور اُسے قبر میں اتارتے ہی ہو جاتی ہے۔

يُقصِى الخليلُ أخاه عند مَيتَتِهِ وكل من مات أقْصَتْهُ الأخَلَّاءُ

۸۔ یہ دستور دنیا اور قانون خداوندی بھی ہے کہ ظاہر میں ایک جگری دوست اپنے دوست کو بلکہ ایک باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کو قبر میں لے جا کر ڈال دیتا ہے، عقل ومنطق اور شرع کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مٹی سے بنے جسم کو مٹی کے حوالے کر دیا جائے۔رہی روح تو وہ ملأ اعلی سے آئی تھی اور وہ بھی اپنے مرکز کی طرف پرواز کر گئی۔

لم تبك نفسُك أيام الحياة لما تخشى، وأنت على الأموات بكَّاء

۹۔ انسان کی زندگی میں کتنے ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ وہی کام کرتا ہے جس سے اس کو ڈرنا چاہیے اور دور بھاگنا چاہیے تھا، مگر ضمیر کی ملامت کے باوجود کر گزرتا ہے اور اُسے یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ اُسے اپنے کئے پہ آنسو بہانا چاہیے، نادم ہونا چاہیے اور اللہ کے حضور توبہ انابت کرنا چاہیے، مگر یہی بے حس انسان اپنے مردوں پہ خوب آہ وبکا اور گریہ وزاری کرتا ہے۔

أستغفرُ اللهَ من ذنبى و من سَرَفِى انّى ، و اِنْ كنتُ مستوراً لخطَّاءُ

۱۰۔ اللہ بہت کریم، حلیم اور ستار العیوب ہے۔بندہ گناہ پہ گناہ کئے جاتا ہے اور وہ پردہ پوشی فرما کر اس کو سنبھلنے اور رسوائے زمانہ ہونے سے بچاتا ہے۔ابوالعتاہیہ اللہ کی ستاری کا اعتراف اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے، ایک جگہ اس نے خدا

الٰهی لا تُعذِّبنِی فانّی مُقِرٌّ بالذی قد کان مِنّی

ومالی حیلۃٌ الّا رَجَائی لِعَفُوِك ان عفوتَ و حسنُ وظَنّی

خدایا! سزا نہ دینا، جو گناہ مجھ سے ہوئے ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں۔

آپ کے عفو وکرم- بشرطیکہ آپ معاف کر دیں- کی آس اور اپنے حسن ظن کے علاوہ میرے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے۔

لم تَقْتَحِمْ بی دواعِی النفسِ معصیۃٌ الّا وبینی و بینَ النورِ ظَلْمَاءُ

۱۱۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ انسان (مسلمان) شیطانی وسوسے کے دام میں آکر گناہ کرتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے جب انسان حضوریٔ رب اور ذکر الٰہی کے نور کے ہالے میں ہوتا ہے، شیطان (جس کا انسان سے چولی دامن کا ساتھ ہے) حملہ آور نہیں ہو پاتا، جس گھڑی بندہ اللہ سے غافل ہوتا ہے، شیطان اپنی وسوسہ اندازیوں سے اس پر ہلہ بول دیتا ہے، اس کے سامنے گناہوں کو سجا سنوار کر پیش کرتا ہے اور گناہ کروا کر ہی دم لیتا ہے، یعنی اِدھر ذکر الٰہی کے نور کا انقطاع ہوا، اُدھر شیطان اور بدی کی ظلمت اور شیطان کا انسان پر حملہ ہوا اور گناہ سرزد ہو گیا۔

کم راتِعٍ فی ظلال العیش تَتْبَعُهُ منهن داهیۃٌ،تَرْتَجُّ دَهْيَاءُ

۱۲۔ انسان عیش وطرب کی زندگی میں جب بدمست ہو جاتا ہے، تو اسے اپنے پاؤں تلے کی کھسکتی ہوئی زمین بھی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ سمندر کی لہروں میں کشتی لے کر انجوائے کرنے اور موج ومستی کرنے جاتا ہے اور وہی لہریں اس کی غرقابی کا سبب بنتی ہیں۔ جیسے قوموں کے عروج کے ساتھ زوال کی دیمک بھی لگ جاتی ہے ویسے ہی فطرت کے خلاف باغیانہ اور غفلت شعاری کی زندگی کے ساتھ موت اور تباہی کا تعاقب شروع ہو جاتا ہے۔

وللحوادث ساعاتٌ مُصَرَّفَۃٌ فیهن للحین اِدناءٌ واِقصاءٌ

۱۳۔ اس کائنات میں کلیات سے لے کر جزئیات تک، بڑے بڑے حوادث اور آفات ارضی سے لے کر آفات سماوی تک اور ایک پتا جو درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے، یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے تقدیری ضابطے کے مطابق ہی پیش آتے ہیں۔ خدائی تقدیر کے مطابق ہی انسان کی موت وحیات کے اوقات طے شدہ ہیں۔ ایک شخص موت کے منہ میں پہنچ کر بچ جاتا ہے، دوسرا سوتے سوتے ہمیشہ کے لئے سو جاتا ہے۔ جو خدا دنیا کے حوادث کو کنٹرول کر رہا ہے، وہی خدا اپنی مخلوق کے کسی فعل سے اور اپنے گلے کے کسی بھیڑ سے کسی وقت غافل نہیں ہے، جس کا جو وقت مقرر ہے، اُس مقرر وقت کی طرف وہ کشاں کشاں بڑھا چلا جا رہا ہے اور موت کا جو بھی سبب اس کے لئے طے ہوا ہے، اس سبب سے اُسے مرنا ہے۔

کلٌّ یُنَقَّلُ فی ضِیقٍ وفی سَعَۃٍ وللزمان به شَدٌّ واِرخَاءُ

۱۴۔ انسانوں کی بستی میں ہمیشہ دو طرح کے لوگ نظر آتے ہیں؛ ایک شخص وہ ہے جسے ہر طرح کی آسائش، دولت، جاہ وعزت اور دنیاوی سرخروی سے نواز دیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے، جو مفلس وقلاش، پریشان اور بدحال ہوتا ہے، یہ سب خدائی فیصلہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مالک اپنے غلام کو دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے منعم کا شکرگزار بندہ بنتا ہے، آیا ناشکری کرتا ہے۔ اسی طرح

ثبوت دیتا ہے؟

زمانہ چونکہ زمانہ ساز ہوتا ہے، اس لئے وہ مطلب کا یار ہوتا ہے۔ چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے، مفاد کا بندہ ہوتا ہے، وہ ہر اس شخص کے پیچھے بھاگتا ہے، جو مال و دولت اور جاہ و اقتدار کا مالک ہوتا ہے، مگر یہی زمانہ اس شخص کو مبتلائے اذیت کرتا ہے، جو مادی حیثیت سے محروم اور معاشرے میں مفلس و لاچار ہوتا ہے، چاہے وہ کردار کا دھنی اور اخلاقی جوہر کا مالک ہی کیوں نہ ہو!

اسلوب:

ابوالعتاہیہ نے خفیف بحر میں یہ اشعار کہے ہیں، ان میں سہل پسندی اور حلاوت بہت نمایاں ہے اور اس پر غنائیت مستزاد۔ ان تین خوبیوں سے ان مذکورہ بالا اشعار میں دلکشی، حسن اور اثر انگیزی پیدا ہوگئی ہے۔

منطقی وحدت کا فقدان:

ان اشعار کے درمیان کوئی خاص منطقی وحدت نہیں پائی جاتی، ہر شعر اپنی جگہ پر مکمل ایک اکائی ہے اور سابق و لاحق سے وہ غیر مربوط سا ہے۔ انداز بیان تقریری اسلوب کا ہے، ان اشعار کے لئے پند و نصائح یا ''وعظ و نصیحت'' کا عنوان قائم کیا جا سکتا ہے، جو ''زہدیات'' ہی کا ایک باب ہے۔

فنی تناظر میں:

ان اشعار میں فکر کی بلندی تو ہے، مگر یہ معروف و متداول فکر ہے، اس میں گہرائی نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالعتاہیہ کی پوری شاعری عوامی سطح کی ہے۔

خیال میں نیرنگی کا فقدان ہے، کیونکہ حقائق کو علمی انداز اور حکیمانہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

جذبہ اور شعور بس اس حد تک ہے کہ خفیف بحر اور سادگی و سلاست کی وجہ سے حلاوت اور نغمگی پیدا ہوگئی ہے اور پڑھنے والوں کے اندر ایک کیف و سرور جاگتا ہے۔

ناقدین کی رائے:

ابوالعتاہیہ کی شاعری کو اصمعی نے بادشاہوں کے اس دربار سے تشبیہ دی ہے، جہاں جواہرات، سونا، مٹی اور کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ہوتی ہیں۔ ان تشبیہات کا مطلب لوگوں نے یہ لیا ہے کہ عمدہ اور گھٹیا دونوں طرح کے اشعار اس کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔

اسحاق موصلی نے ابوالعتاہیہ کو سب سے بڑھ کر فطری شاعر قرار دیا ہے، جاحظ نے چار بڑے، فطری اور قادرالکلام شعرا میں ابوالعتاہیہ کو چوتھے نمبر پر رکھا ہے۔

ابوتمام ابوالعتاہیہ کی شاعری سے بے حد متاثر نظر آتا ہے، اس کا کہنا ہے: ابوالعتاہیہ کے پانچ اشعار ایسے عمدہ ہیں جن میں متقدمین اور متاخرین میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ (دیکھئے ابوالعتاہیہ از ڈاکٹر ہاشم صالح مناع ص ۸۳-۸۴)

ابوالعتاہیہ کی زہدیات کا خلاصہ:

'زہدیات' کے تحت ابوالعتاہیہ نے پندونصائح اور وعظ وحکمت کے موضوع پر جی کھول کر شاعری کے جوہر دکھائے ہیں، اس حوالے سے اس کی شاعری کا لب ولباب اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

دنیا اور اس کی بہار:

دنیا باطل اور جھوٹ کا پلندہ ہے، یہ بہت دھوکے باز اور بے وفا ہے اس کی ہر چیز سراب کی مانند زائل ہونے والی اور مکر وفریب سے لبریز ہے، یہاں تکلیفیں بھی ہیں اور ناکامیاں بھی، اس کے احوال میں کہیں قرار نہیں۔ یہاں کبھی مسرت اور لطف اندوزی کا دروازہ کھل جاتا ہے، مگر یہ پرمسرت لمحہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا کہ انسان قبر میں جا پہنچتا ہے۔

موت کے معاملے میں انسان کا رویہ:

موت کے معاملے میں سب سے بڑی آزمائش جس میں انسان عام طور سے مبتلا رہتا ہے، یہ پیش آتی ہے کہ اسے وہ فراموش کئے رہتا ہے، وہ تو موت کو اسی وقت بھول جاتا ہے، جب اپنے قریب ترین اور عزیز ترین شخص کو قبر میں دفن کر کے واپس آتا ہے۔ عام حالات میں لوگوں کے حال کا کیا پوچھنا، جو موت جیسی تلخ حقیقت سے غافل رہتے ہیں، یا وہ زندگی کے سمندر میں غرق اور منکرات کے طوفانوں میں پھنسے ہوتے ہیں، وہ مال کے حریص اور بخل میں طاق ہوتے ہیں، اپنے کرتوتوں کے نتائج سے بے خبر رہتے ہیں، ان کے رویے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قبر ان کی زندگی کی آخری منزل نہیں ہے، یا قبر کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں آنی ہے۔

لوگ زہد وتقوی اپنائیں:

لہذا لوگوں کو چاہئے کہ اپنا جائزہ لیں، اپنے اوہام، اپنے باطل خیالات، اپنی نفسانی خواہشات اور جھوٹی آرزوؤں کو ختم کریں۔ خیر وبھلائی کے اس راستے پہ چلیں، جس کے نشانات منزل کا تعین دین نے کر دیا ہے۔ زندگی اور زندگی کے مال ومتاع اور ساز وسامان کو حقیر جانیں، اللہ نے جو نعمتیں بخشی ہیں ان پر دل کو مطمئن کریں، کفایت شعاری کی عادت ڈالیں، آخرت کا خریدار بننے کے لئے نفس کی صفائی اور پاکیزگی کی طرف دھیان دیں، تنہا آخرت عبرت ونصیحت کے لئے کافی ہے، اس راہ میں آدمی زہد وتقوی سے بہتر کوئی زادِ راہ نہیں پا سکتا۔

کیا ابوالعتاہیہ کے خیالات میں مثبت پہلو نہیں ہے؟:

کیا یہ خیالات عالم اسلام خصوصاً شام وغیرہ میں رائج صلیبی جنگوں سے پیدا شدہ حالات اور معاشرے کی اخلاقی بے راہ روی کا مکمل ردعمل نہیں ہیں؟

کیا یہ ابونواس کے فلسفۂ لذت (جس کا وہ داعی وعلمبردار تھا) کی نفی نہیں کرتے ہیں؟

کیا ان باتوں میں دینی تعلیمات کا عکس جمیل نہیں ہے؟

کیا یہ زندگی کے تجربات اور موت وفنا پہ غور وفکر کے نتائج نہیں ہیں؟

کیا کائنات اور دین کے حوالے سے یہ دوٹوک اور جرات مندانہ مثبت نظریہ نہیں ہے؟
کیا یہ ایک عمیق نظریہ اور گہرے فلسفہ کی غمازی نہیں کرتا؟

ابوالعتاہیہ کا امتیاز:

ابوالعتاہیہ ان سارے شعرا میں ممتاز ہے، جنہوں نے زہد پہ اظہار خیال کیا اور کثرت کلام کے لحاظ سے ان سب پر فائق ہے، اس نے زہد کو دینی فکر کے طور پر عوام کے سامنے پیش کیا اور واضح اسلوب میں اس کی دعوت دی۔
اس نے کلام نرم و نازک اور بیان کی شیرینی سے دلوں کو متاثر کیا، ہاں اس کے تجربے میں سچائی اور اس کے پیغام میں اصرار ہے۔

اخلاق وحکمت:

ابوالعتاہیہ اپنی شاعری کے ذریعہ اخلاق وحکمت کے موتی لٹاتا ہے، وہ اللہ کی اطاعت اور تقوی شعاری کی تلقین کرتا ہے۔صبر، سچائی، نرمی اور قناعت کی ترغیب دیتا ہے۔کبھی اپنے شاعرانہ تخیل میں پرواز کرتے ہوئے انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں جا پہنچتا ہے اور بدعملی کے پیچھے جو رُجحانات ہیں ان کی پردہ کشائی کرتا ہے۔
ابوالعتاہیہ کی شاعری (زہدیات) ایک بے کراں سمندر ہے، اس میں علم ہے، اثر انگیزی ہے، عبرت پذیری ہے۔یہ ایک فکر ہے، دعوت ہے، نظریہ ہے۔

یہ کمزور عقیدہ کا آدمی ہے:

ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ بدشگون ہے۔اس کی فکر ونظر میں پیچ وتاب ہے۔وہ کمزور دل کا آدمی ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ وہ بدشگون واقع ہوا ہے۔وہ کائنات کو رنج ومحن اور درد والم کا گہوارہ سمجھتا ہے۔اس حسین کائنات میں بھی اسے سیاہی اور موت کی بھیانک تصویر نظر آتی ہے۔یہ ساری باتیں اس کی عقیدے کی کمزوری کی غمازی کرتی ہیں۔

اس کے کلام کی ادبی شان:

شاعر خشک موضوع کو بھی شیریں سخن اور خوشگوار شربت بنا دیتا ہے۔اس کے کلام کی سادگی ہی میں حسن افروزی ہے۔

زہدیات ایک بے کراں سمندر ہے:

اس نے اپنی شاعری کے چمن کو گلہائے رنگ رنگ سے زینت بخشی ہے اور یہی فن کا کمال اور جمال کا حاصل بھی ہے۔اس نے مجرد فکر کو ایک تلخ حقیقت بنا دیا۔وہ بیک وقت عقل وفکر اور قلب وشعور دونوں کو مخاطب کرتا ہے اور انہیں جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے۔

''زہدیات'' کا امام:

اپنے وجود وحضور کے ساتھ زہد سے مربوط رہا۔ وہ زندگی کے تلخ اور شیریں چشمے کا رازداں بنا رہا، اسے اس حقیقت کا عرفان حاصل تھا کہ دنیا کی نعمتوں کو قرار اور دوام نہیں ہے۔ اس نے انسانوں کو پرکھا اور تجربے سے جانا کہ آدمی کے ہر رنگ سے متاثر ہونے اور ہر خواہش کے پیچھے بھاگنے کی اصل وجہ دل کا پلٹا کھانا ہے۔

یہ سب دیکھ کر اگر ابوالعتاہیہ دنیا سے منہ موڑتا ہے اور انسانوں میں خیر کا پیامبر بن کر، پند ونصیحت کا داعی بن کر، بلکہ دنیا کی بیماری میں مبتلا لوگوں کے سامنے زہد کا نسخہ لے کر جاتا ہے اور فسق وفجور سے معمور معاشرے میں ایک آواز بن کر اور بظاہر عملی پیکر بن کر کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے زہد پر شک وشبہ کرنا، یا اس کی شخصیت پر الزام تراشی کرنا زیب نہیں دیتا۔

ابوالعتاہیہ کی حقیقت کیا تھی؟:

ممکن ہے کہ وہ خودغرض ہو، کیونکہ وہ زمانہ خودغرضی کا ہے، ممکن ہے کہ وہ بدعمل ہو، اس لئے کہ اسلامی اقدار وروایات کے معاملے میں معاشرے میں تساہل در آیا ہے، ممکن ہے اس کے اندر عزم وارادے کی کمی ہو، کیونکہ ابوالعتاہیہ ایک کمزور شخصیت کا مالک ہے، اس کی دینی ثقافت معمولی درجے کی ہے۔ کچھ اسباب کی بنا پر اس میں نسوانی کمزوریاں بھی راہ پا گئی ہیں، اس لئے وہ ہمت کا دھنی نہیں ہے۔ وہ صاحبِ عزم اور مصلح نہیں ہے اور شعرا کب مصلح رہے ہیں؟

البتہ اس نے ایک راہ سجھائی، اس راہ کے پیچ وخم کو اب اس کے دیئے کی روشنی میں دکھانا چاہئے، یقیناً ابوالعتاہیہ نے زندگی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، دنیا کی سیاہی کا ایسا خراد اس نے اپنی شاعری پر چڑھایا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے والا یاس وقنوط میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس تشاؤم کے باوجود اس نے شاعری کا یہ قیمتی تحفہ دے کر انسانوں کے ساتھ بڑی خیرخواہی کی ہے۔

خلاصہ:

خاندانی پس منظر: ابوالعتاہیہ کا قبیلہ دو پشتوں سے قبیلہ عنزہ بن ربیعہ کا (موالی) غلام تھا اور معاشرے میں حقیر خدمات پر مامور تھا۔ خود ہمارا یہ شاعر دورِ جوانی میں مٹی کے گھڑے بیچا کرتا تھا، اسی فقر ومفلسی نے اسے تعلیمی حلقوں سے دور کیا، مگر اسی مفلسی نے اس کے اندر اغنیا کے خلاف ایک ردعمل پیدا کر دیا۔

شاعری کا چرچا: قدرت نے ابوالعتاہیہ کو شاعری کا شوق اور ملکہ وافر مقدار میں بخشا تھا، پھر ماحول سازگار تھا، اس لئے بے تکلف شعر موزوں کرتا تھا، ادبی ذوق رکھنے والے طلبہ نے اس کمہار شاعر کی شاعری کا چرچہ سنا تو اس کے کارخانے میں آنے لگے اور اپنے ذوقِ سخن کی تسکین کا سامان کرنے لگے۔

دربار سے وابستگی: مشہور مغنی ابراہیم موصلی کو مہدی کا قرب حاصل تھا، اس کی کوششوں سے ابوالعتاہیہ بھی مہدی کے دربار میں باریاب ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر عزت واکرام اور انعام سے سرفراز ہوا، یہیں عتبہ نام کی ایک لونڈی سے عشق ہوگیا، جو شاعر کی غزل کا موضوع بنی رہی۔

زندگی کے نشیب وفراز: ابوالعتاہیہ مہدی [illegible]

اورانعامات حاصل کئے،گرم وسرد حالات آتے رہے،اس نے کوڑے بھی کھائے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں،مگر ہر پریشانی کے بعد حالات پہلے سے بہتر ہوتے گئے۔

شخصیت: ابوالعتاہیہ کی شخصیت میں تردد،غیر مستقل مزاجی،مزاج میں قنوطیت،اور بخل جیسی مذموم صفات پائی جاتی تھیں،بعض لوگوں نے اس کو مانویت سے متاثر بتایا ہے اور اس کی زاہدانہ شاعری پر شک کا اظہار کیا ہے، کیونکہ فنا وزوال کا ذکر تو کرتا ہے مگر معاد اور بعث بعد الموت اور حساب کتاب کا ذکر نہیں کرتا۔

شاعری کی خصوصیات: ابوالعتاہیہ نے غزل،خمریات، مدح،ہجو،مرثیہ،امثال وحکم اور زہدیات پہ بھرپور شاعری کی ہے۔ابوالعتاہیہ مکمل فطری شاعر ہے،اس کی سب سے بڑی خوبی اس کی سلاست،روانی،شیریں سخنی،قوافی کا برمحل استعمال اور غنائیت اور موسیقیت سے لبریز شاعری ہے۔یہ مولدین کے صف اول کے شعرا میں ہے۔

سوالات:

سوال:۱ ابوالعتاہیہ کے خاندانی پس منظر،خاندانی پیشہ اور اس کی تعلیم کے احوال اختصار کے ساتھ تحریر قلم بند کریں؟

سوال:۲ ابراہیم موصلی کون تھا؟ ابولعتاہیہ کس کے دربار میں پہنچا اور کن کن خلفا سے وابستہ رہا اور اس سے اس کی معاشی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

سوال:۳ ابوالعتاہیہ کی شخصیت اور اس کے مثبت اور منفی اخلاق پر روشنی ڈالئے؟

سوال:۴ غزل،مدح،مرثیہ،ہجو میں سے کسی ایک پر ابوالعتاہیہ کے چند اشعار لکھ کر ان کا ترجمہ کیجئے؟

سوال:۵ ابوالعتاہیہ کی شاعرانہ خصوصیات پر روشنی ڈالئے؟

سوال:۶ ابوالعتاہیہ کے نص(نمونے) کا جامع عنوان آپ کیا قائم کریں گے؟

سوال:۷ ابتدائی پانچ اشعار کو اپنی کاپی پر لکھ کر ان پر اعراب لگائیں،ان کا ترجمہ کریں اور ان کی تشفی بخش تشریح کریں؟

سوال:۸ ادب کے عناصر اربعہ کی روشنی میں ان اشعار پر تبصرہ کیجئے؟

سوال:۹ ابوالعتاہیہ کے ادبی امتیازات پر اپنی معلومات قلم بند کریں؟

سوال:۱۰ ابوالعتاہیہ کی زہدیات پر مبنی شاعری پہ اظہار خیال کیجئے؟

مراجع:

أبوالعتاهية أشعاره و أخباره از: ڈاکٹر شکری فیصل

أبوالعتاهية از: ڈاکٹر ہاشم صالح منابع

ابوالعتاهية شاعر الزهد والحب الخائب از: عبداللطیف شرارہ

تاريخ الأدب العربى الأعصر العباسية از: عمر فروخ

تاريخ الأدب العربى از: حنا فاخوری

تاريخ الأدب العربى (تیسرا حصہ) از: ڈاکٹر شوقی ضیف

ابونواس: تعارف

پیدائش

خاندان

شخصیت

ابونواس بصرہ میں

علمی پیاس

ابونواس والبہ بن حباب کے ہمراہ

تحصیل علم

اخلاق

کنیت

بغداد کا سفر

ہارون رشید کے دربار میں

شاعری

۱. جدید دبستان فکر کا نمائندہ شاعر

۲. خمریات کا امام

۳. شراب کے لئے وقف زندگی

۴. بشار بن برد اور ابونواس

۵. ابونواس کا نبوغ

۶. ابداع وابتکار

۷. کلام کے چار موضوعات

اول: قصائد

دوم: غزلیات

سوم: خمریات

چہارم: ہزلیات

ہجو گوئی مرثیہ نگاری

النصوص الأدبية لأبى نواس

الفاظ ومعانی

ترجمہ

قصیدہ کا پس منظر
اشعار کی تشریح
قصیدہ اپنے شکل و مضمون کے اعتبار سے
خلاصہ
سوالات
مراجع

اکائی-۴ ابونواس: تعارف

پیدائش:

عباسی خلافت کے عین عروج اور شباب کے زمانہ میں ابونواس اہواز میں پیدا ہوا۔ایک قول کے مطابق اس کی پیدائش ۱۳۰-۱۴۹ھ مطابق ۷۴۷-۷۶۶ء کے درمیان دریائے تستر کے کنارے جنوبی مشرقی ایران کے صوبہ خوزستان کے بارونق شہر اہواز میں ہوئی۔اس کا پورا نام حسن بن ہانی بن عبدالاول بن الصباح بن الجراح بن سعدالعشیر ۃ بن مالک ہے۔

اس بات پر مورخین متفق ہیں کہ اس نے ۶۸ سال کی عمر پائی اور عباسی خلیفہ امین کا مرثیہ کہہ کر ۱۹۸یا۱۹۹ھ مطابق ۸۱۴-۸۱۵ء میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

خاندان:

اس کا باپ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کی فوج میں شامل تھا۔فوجوں کے ہمراہ خوزستان پہنچا جہاں جلنان (گلنار کا معرب ہے) نامی نازنین (لونڈی) کے دام الفت میں گرفتار ہوا،اس سے شادی کی،جس سے دولڑکے حسن اور احمد پیدا ہوئے۔جو بعد میں ابونواس اور ابومعاذ کے نام سے مشہور ہوئے۔

شخصیت:

ابونواس حسین وجمیل ،شیریں مقال،فصیح اللسان ،وجیہہ،گورا چٹا ،ستواں ناک والا اور ہنس مکھ تھا۔وہ بکثرت اشعار اور محاورے اور امثال حفظ کرنے والا طباع ، بے حد ذہین،حساس اور قوت یادداشت کا مالک تھا۔کہا جاتا ہے کہ اس نے شعر کہنا اس وقت شروع کیا جب اُسے ساٹھ عورتوں کا کلام ازبر ہو چکا تھا۔وہ نہایت پر گو،بذلہ سنج ،حاضر جواب، بیدار مغز،مدبر اور معاملہ فہم تھا۔اس کو شاعری کے تمام اصناف پر یکساں عبور تھا۔اس کے ہر قسم کے کلام میں جدت وندرت کا پتہ چلتا ہے،ابونواس اکثر لوگوں سے کہتا تھا: میں نے شعر کہنا ہی اس وقت شروع کیا، جب عرب کی ساٹھ عورتوں خنساء،لیلٰی اخیلیّہ،لیلی عامریہ وغیرہ کے کلام کو زبانی یاد کر چکا تھا، میں سات سو ایسے ارجوزے زبانی سنا سکتا ہوں جو تم نے کبھی نہ سنے ہوں گے۔

ابونواس بصرہ میں:

ابھی وہ کمسن ہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا،اس کی ماں اس کو چھ سال کی عمر میں بصرہ لے کر آئی، مالی پریشانیوں کی وجہ سے اس نے ایک عطار کی دکان پر کام کرنا شروع کر دیا۔بصرہ اس زمانہ میں علم وفن،زبان وادب اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ ،بڑی تجارتی منڈی اور فوجی چھاونی بنا ہوا تھا، جہاں ایران ،مشرق بعید،چین اور اس وقت کے متمدن ملکوں سے تجارتی قافلے اور علمی وفود آتے تھے۔

ابونواس کا بچپن بصرہ میں گزرا،اسی لئے وہ اپنے کو بصری کہتا تھا ایک جگہ پر کہتا ہے۔

وإنْ أَكُ بَصَرِيًّا فَإِنَّ مُهَاجَرِي

دِمَشْقُ ولكنّ الحديثَ شُجُونُ

اگر چہ میں بھی بصری ہوں،لیکن میری جائے ہجرت دمشق ہے اور یہ داستان درد والم سے عبارت ہے۔

تحصیل علم کا شوق:

ابونواس کو بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا، لہذا وہ دن بھر اس عطار کی دکان میں کام کرتا رہتا اور شام کو جامع مسجد میں علمی وادبی حلقوں میں شریک ہوتا اور تشنگیٔ علم کو بجھانے کی کوشش کرتا۔

موزوں طبیعت ہونے کی وجہ سے بچپن ہی سے طبع آزمائی کردی تھی اور بصرہ کے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنا کلام سناتا تھا۔

بصرہ میں اس نے یعقوب حضرمی سے قرآن پاک کا درس لیا، اس کے بعد اس دور کے زبان وادب اور نحو کے ائمہ ابوعبیدہ، ابوزید، سعید بن اویس بن ثابت کے پاس گیا، ان سے الفاظ اور معنی اور ان کے مفردات ومشتقات پر عبور حاصل کیا۔ پھر سیبویہ کی مایہ ناز کتاب ''الکتاب'' کا عمیق مطالعہ کیا۔ بصرہ میں ابوالبشر عبدالواحد بن زیاد العبدی، یحیی بن سعید بن فروخ تمیمی، ابو بکر بن سعد بصری، سے حدیث کے اسباق پڑھے، مشہور راوی اور ماہر لغت وشعر خلف الاحمر کے شاگرد، محمد بن حبیب سے شاعری میں استفادہ کیا۔ اس طرح وہ مختلف ماہرین کے روبروزانوئے تلمذتہہ کرتا رہا، یہاں تک کہ علم وفن اور زبان وادب میں کانکتہ شناس اور مشہورِ زمانہ ہوگیا۔

ابونواس والبہ بن حُباب کے ہمراہ:

جب اس نے اپنے دور کے آوارہ مزاج مشہور شاعر والبہ بن حباب کا چرچا سنا، تو اس کے دل میں اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، وہ چاہتا تھا کہ اس ماہر فن کے پاس جا کر استفادہ کرے۔ حسنِ اتفاق سے ایک دن والبہ بن حباب کسی ضرورت سے اسی عطار کی دکان پر آیا۔ ابونواس دکان پر موجود تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اس کے چہرے مہرے کو دیکھتے ہی والبہ نے اس کی ذہانت ولیاقت اور اس کی مخفی صلاحیتوں کو تاڑ لیا، اس نے ابونواس سے کہا:

انی أری فیك مُخایَلَ فلاحٍ، وأری لك أن لا تضیّعها، وستقول الشعر وتعلو فیه فَاصْحَبْنِی حتی أُخَرِّجَكَ ۔ میں تمہارے چہرے مہرے میں کامیابی کی کرنیں دیکھ رہا ہوں۔ تم اپنے آپ کو برباد نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ تم ایک دن شاعری میں اوج کمال تک پہنچو گے۔۔ لہذا تم میرے ساتھ نکل چلو، میں تمہیں صیقل کردوں گا۔

ابونواس یہ گفتگو سن کر متحیر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ والبہ نے کہا: ابواسامہ۔ ابونواس نے فرطِ مسرت سے پوچھا: آپ والبہ بن حباب ہیں؟ اس نے مسکرا کر کہا: ہاں! ابونواس نے بے ساختہ کہا: خدا کی قسم مجھے تو عرصہ سے آپ کی تلاش تھی، اب اللہ تعالی نے آپ کو میرے پاس بھیج دیا، گویا ''آمد آں یارے کہ من می خواستم''، میں تو آپ کی وجہ سے کوفہ اور بغداد جانے والا تھا۔

والبہ خود ہی ابونواس پہ ہزار جان سے فریفتہ ہوگیا تھا۔ لہذا تقریباً ۱۵۶ھ میں اس کو لے کر کوفہ آ گیا۔ اگر ابونواس کی تاریخ پیدائش ۱۳۰ھ (۷۴۷ء) مانی جائے، تو اس وقت اس کی عمر قریب قریب ۲۵-۲۶ سال کی ہوگی۔

کنیت:

اس کا پورا نام مصعب بن ہانی ہے۔ ایک روز اس کے استاد خلف الاحمر نے اس سے کہا: تم یمن کے

سامنے چند نام گنائے ،ذویزن، ذورعین، ذوجدن، ذواصبح، ذوکلاع، ذونواس وغیرہ۔ابونواس کوموخرالذکر نام پسند آیا، پھر وہ اسی کنیت سے مشہور ہوگیا۔

مگراس شخصیت کی کی بگاڑ کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے،اس کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس کی شاعری کو بہتر طور سے سمجھنا مشکل ہے۔اور وہ عوامل حسب ذیل ہیں:

شخصیت اور اخلاق:

اس زمانے میں کوفہ میں، جہاں علم وفن کی گرم بازاری تھی، وہیں رقص وسرود اور غناوموسیقی کا بھی عام چلن تھا۔ابونواس اپنے استاد والبہ کے ساتھ اکثر ان محفلوں میں شریک ہوتا تھا۔لہولعب،اورعشرت ومستی کے جراثیم اس کے اندر تھے ہی، والبہ اور اس جیسے بدقماش لوگوں کی صحبت نے ابونواس کو بگاڑ کر رکھ دیا۔اسی آوارہ زندگی کی آوارگیوں کا اثر ہمیں اس کی غزلیات اورخمریات میں نظر آتا ہے۔اگر چہ شاعری کے میدان میں والبہ نے اس کے فن کوجلا دی اور ابونواس کو بلندیوں کی آخری سرے تک پہنچا دیا۔

مگراس شخصیت کی بگاڑ کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے ان کا جاننا ضروری ہے اس سے ہم اس کی شاعری کو سمجھ سکتے ہیں۔

ابونواس بچپن ہی میں یتیم ہوجاتا ہے،شفقت پدری سے محروم لڑکا مفلسی سے دوچار ہوتا ہے،٦ سال کی عمر میں ماں کمانے کے لئے ایک عطار کے سپرد کردیتی ہے۔یعنی تقدیر کا کھلونا بننے کے لئے اسے زمانے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتی ہے۔

مربد میں جنان نامی کنیز سے ابونواس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے دل دے بیٹھتا ہے۔جب وہ اپنی غزلوں میں اظہار عشق کرتا ہے،تو وہ اسے صلواتیں سناتی ہے،اس طرح ابونواس کو زندگی کی پرمشقت سفر میں دوسری بار اپنی ناکامی اور محرومی کا شدید احساس ہوتا ہے۔

والبہ کے ساتھ کوفہ کے چند سالہ قیام کے دوران ابونواس جیسا خوبرو بلکہ گبرو جوان شیطانوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔ان کی صحبت میں اس نے ہر وہ گناہ کیا،جس سے وہ اپنی ماں کو، جنان کو اور اپنی ناکامی کو بھلا سکے۔بعد میں تو وہ کسی حد تک عورت بیزاری کا بھی شکار ہوگیا۔

گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی ابونواس دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ مومن رہا۔دراصل اس کی بے راہ روی، اس کی آزادفکری اور اس کی بادہ کشی، یہ سب غموں کو غلط کرنے کے وسیلے تھے،مگر دین واخلاق سے ان کی تائید نہیں ہوسکتی تھی، تاہم ابونواس نے آخری ایام میں توبہ وتلافی کر کے اپنا معاملہ خدا سے صاف کرلیا تھا۔

بغداد کا سفر:

وہ بصرہ سے بغداد اس حال میں روانہ ہوا کہ اس کے دل میں جنان کی محبت جاگزیں ہوگئی تھی، یہ ثقیف کے ایک قبیلے کی باندی تھی، اس کی محبت نے ابونواس کا صبر وقرار چھین لیا تھا، ابوالفرج اصبہانی نے مستقل ایک باب باندھا ہے، جس میں اس نے جنان کی محبت میں کہے گئے اشعار اور ان اشعار کے جواب میں جنان کے ابونواس کو برا بھلا کہنے اور گالی گلوج

میں بیان کیا ہے۔

ابونواس جب بغداد پہنچا تو اس کی عمر تقریباً تیس سال تھی، اس نے اپنے استاد والبہ بن حباب کو بصرہ ہی میں چھوڑا۔ بغداد پہنچ کر وہ شعرا کی صحبتوں میں رہا اور علما کے درس وتدریس سے مربوط ہوگیا اور اس طرح وہ اپنے زمانے کا مشہور ترین اور ٹھوس علم رکھنے والا شاعر بن گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی شاعری کے ذریعے خلیفہ ہارون رشید کو رجھالے گا، لیکن اس میدان میں اپنا جوہر ثابت کرنے کے لئے اس کو ابھی اور انتظار کرنا تھا۔

رشید کے دربار میں:

ابونواس برابر علم حاصل کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کی غیر معمولی ذہانت اور برجستہ گوئی کا تذکرہ ہارون رشید کے دربار میں بھی پہنچا، مشہور واقعہ ہے کہ ہارون رشید نے ہرثمہ بن اعین سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کوئی ایسا شخص میرے پاس لاؤ جو شب گزاری اور تفریحِ طبع کے لئے اچھے اچھے قصے اور کہانیاں بیان کر سکے، نیز موقع شناس ومعاملہ فہم بھی ہو۔ ابونواس میں یہ قابلیت پائی جاتی تھی، قدرت نے حالات سازگار کر دیئے اور وہ ہارون رشید کے دربار سے منسلک ہوگیا۔

شاعری:

ا۔ جدید دبستان فکر کا نمائندہ شاعر:

ناقدین کے خیال میں ابونواس جدید دبستان فکر کا نمائندہ شاعر ہے، جو مقام امراؤالقیس کو جاہلی دور کے شعرا میں اور محمود سامی بارودی کو جدید دور کے شعرا میں حاصل ہے وہی مقام ابونواس کو مولدین (شعرا) میں حاصل ہے۔ (یہ بات بشار بن برد کے لئے بھی کہی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعرانہ خصوصیات میں یہ دونوں شاعر ایک جان دو قالب کی مصداق ہیں)۔

یہ وہ شاعر ہے جس نے شاعری کے تمام اصناف سخن؛ مدح، ہجو، غزل، غزل بالمذکر (امرد پرستی)، زہدیات، شکاریات اور خمریات پر طبع آزمائی کی ہے۔ عام طور سے قدیم طرز کا پیروکار نظر آتا ہے، البتہ نسیب کے معاملے میں وہ قدیم طرز کا مذاق اڑاتا ہے۔

اس کا پورا کلام تکلف اور صنعت لفظی اور معنوی سے پاک ہے۔ زبان و بیان تو اس کے گھر کی لونڈی ہے، نہایت چست اور پختہ اسلوب کا مالک ہے، الفاظ فصیح استعمال کرتا ہے، اسلوب بیان میں شیرینی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، فن وجدان وشعور میں ڈوبا ہوتا ہے، اس کے کلام کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہنوں کو مسحور کرتا ہے، آتش جذبات کو بھڑکاتا ہے اور کانوں میں رس گھولتا ہے۔

۲۔ بشار بن برد اور ابونواس:

مولدین شعرا کا سرخیل بشار بن برد اور خمریات کا امام ابونواس کی ذات وصفات، مزاج ومذاق اور لفظی و معنوی اسلوب میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بشار کے یہاں آمد ہی آمد ہے جو سننے والے کے دل کو چھو لیتی ہے، جبکہ ابونواس کی فطری شاعری سننے والے کی اجازت کے بغیر دل میں جا کر براجمان ہو جاتی ہے۔ ابونواس اپنی شاعری کی اصلاح و تنقیح میں

اورصرف عمدہ اشعار باقی رکھتا تھا۔اس کی تنقیح وتہذیب کے عمل کی وجہ سے اس کے دیوان میں بعض قصائد بہت مختصر نظر آتے ہیں۔

۳۔ ابونواس کا نبوغ:

ابونواس کی شاعری قاری وسامع کے ذہن پہ ایک گہرا نقش چھوڑتی ہے۔یہ ہمیشہ درست زبان اور محکم عربی استعمال کرتا ہے،کبھی کبھار عام بول چال کی زبان بھی استعمال کر بیٹھتا ہے،اسی طرح وہ کبھی غریب ونامانوس الفاظ بھی لکھ جاتا ہے۔اُس کے شاعرانہ نبوغ،اس کی پرگوئی وپرکاری اوراس کی مہارت زبان میں کم لوگ اس کے حریف ہوئے ہیں۔

۴۔ ابداع وابتکار:

یہ ایک خوش طبع،شوخ مزاج،بدزبان،بدکردار،زندیق،ملحد،بےعمل اور بددین شاعر تھا۔خمریات کے فن میں یہ نابغۂ روزگار تھا،ہجو میں تلخ اور غزل میں سبھوں سے بڑھ کر عریاں پسند شاعر تھا۔

فارسی تمدن سے بے حد متاثر تھا،شراب نوشی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی،اس نے عربی شاعری کو نئے نئے معانی پہنانے،غزل بالمذکر(امرد پرستی) کو رواج دیا اور خمریات کی طرح اس باب میں بھی جدتیں وندرتیں پیدا کیں،جو بعد کے شعرا کے لئے مشعل راہ اور خوشہ چینی کا ذریعہ بنیں۔غزل بالمذکر کا اسی کو بانی مبانی کہنا چاہیے،اس صنف کو غیرت مند عربی زبان وادب میں رواج دینے کا سہرا اِسی کے سر ہے(یہ تاریخی تحقیق کا مسئلہ نہیں ہے،اخلاقیات کے خلاف اس شاعر کی دیدہ دلیری کی بات ہے)اس کے بہترین اشعار وہ ہیں،جو اس نے شراب اور امرد پرستی کے موضوع پر لکھے ہیں۔

۷۔ کلام کے چار اہم موضوعات:

اس کے کلام کو مضامین کے اعتبار سے چار بڑے اہم موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) قصائد

(۲) خمریات

(۳) غزلیات

(۴) ہزلیات

اول۔ قصائد:

اگرچہ ابونواس کو قصیدہ گوئی میں کوئی خاص شغف نہ تھا،لیکن اس کے باوجود اس نے جتنے بھی مدحیہ قصائد لکھے وہ سب کے سب اپنی مثال آپ ہیں۔شاندار الفاظ اور پرشکوہ انداز بیان سے تمام قصیدے مرصع ہیں،جن میں اچھوتی،نادر تشبیہوں اور استعاروں سے کلام میں جادو جگایا گیا ہے۔

نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ہارون رشید کے بارے میں کہتا ہے:

مَلِكٌ تَصَوَّرَ فی القلوب مثالُه　　فكأَنَّه لم يَخْلُ منه مكانُ

ما تَنْطَوی عنه القلوبُ بفَجْرَةٍ　　الَّا يُكَلَّمُ بها اللَّحْظَانُ

وہ ایسا بادشاہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی تصویر ہے گویا اس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔
اگر لوگوں کے قلوب اپنا کھوٹ اور کینہ اس سے چھپاتے بھی ہیں تو نگاہیں اسے بتا دیتی ہیں۔

دوم۔ خمریات کا امام:

☆ خمریات کو زندگی دے دی: جہاں ابونواس کو مولدین شعرا کی زعامت حاصل ہے، وہیں خمریات کے باب میں اس کو امامت کا درجہ ملا ہوا ہے، اب تک کے شعرا جو خمریات کی شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے، وہ اسے سرور و نشاط اور فرحت وانبساط کا ذریعہ سمجھتے تھے، وہ اس سے عشق بھی کرتے تھے۔ ابونواس نے تو خمریات کی شاعری کو زندگی عطا کر دی۔ اُسے وہ ایک زندہ وجود کی نظر سے دیکھتا ہے، جو زندگی بخش بھی ہے اور روح افزا بھی۔

☆ یہ دمکتا نور ہے: ابونواس تنہا وہ شاعر ہے، جو شراب کے مٹکے کی جان (شراب) کو اپنے جسم میں اتار کر اپنے اندر دو روحوں کو یکجا کر لیتا ہے، اس کی نگاہ میں شراب اکسیرِ حیات (آبِ حیات) ہے۔ یہ روح کی جڑواں بہن ہے۔ یہ ایک دمکتا ہوا نور ہے اور اس میں افلاطونی، جمالیاتی قدروں کی ساری خصوصیتیں موجود ہیں۔ شراب پانی کی لطافت سے بہت زیادہ لطیف اور صنف نازک کی نزاکت سے بہت زیادہ نازک اور معشوقہ کی محبت سے بڑھ کر محبوب ترین ہے۔ اس گستاخ اور بے باک شاعر نے اپنی محبوب شراب کو اُلوہی صفات دینے کی جرأت کر بیٹھا، چنانچہ وہ کہہ گیا:

أثنِ على الخمر بآلائِها وسَمِّهَا بأحسنِ أسماءِ ها

شراب کی خوبیوں، نعمتوں، قدرتوں اور کمالات کی تعریف کرو اور اس کے لئے عمدہ سے عمدہ نام رکھو۔ (اُلاء سے آلاء اللہ اور اسماء سے اسمائے حسنی مراد لیا ہے) اس بیباکانہ وصف نگاری کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے کہا: اگر حسنین (حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابن سیرینؒ) بھی اس کے شراب کی وصف نگاری سن لیتے، تو اپنے زہد کو چھوڑ کر رندانہ زندگی اختیار کر لیتے۔

قدرت نے اس کی فطرت میں بلا کی شوخی اور ظرافت ودیعت کی تھی۔ اس کے اکثر اشعار اس درجہ مبتذل اور اخلاق سے گرے ہوئے بھی ہیں کہ کوئی سنجیدہ مزاج اور شریف انسان انہیں پڑھنے سے بھی شرم محسوس کرے گا، لیکن اس میں کیا شک کہ ان میں بھی زبان وادب کے جواہر پارے موجود ہیں۔

☆ شراب کے لئے وقف زندگی:

غزلیات کے باب میں بنی امیہ کے دور میں عمر بن ربیعہ پہلا شاعر ہے جس نے صرف غزل کے لئے مستقل قصیدے کہے، ابونواس بھی پہلا شاعر ہے جس کے قصائد صرف خمریات پر مشتمل ہیں۔ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ شراب کو نئے نئے معنی پہنائے، لطیف اور نادر خیالات پیش کئے، بلکہ اس نے اپنے شعور واحساس کو شراب کی فطرت میں ڈھال لیا۔ شراب کی عظمت، شراب کی محبت، شراب کی رومانیت، اس کی نفسیات کا حصہ بن گئی۔ اس نے شراب پی اور لوگوں کو پینے کی ترغیب دی۔ شراب کے لطائف واسرار کا محرم راز بنا اور گویا زندگی اس کے لئے وقف کر دی۔

سوم۔ غزلیات:

غزل کے لغوی معنی حسین و نازک اندام عورتوں سے بات کرنا اوران کے محاسن و دل فریبیوں کو بیان کرنا ہے۔غزل شاعری کی اہم ترین صنف ہے۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ غزل ہی شاعری کی جان ہے۔اسلامی اوراموی دور میں شعرانے اسی نہج پر شاعری کی ،لیکن عباسی دور میں عجمیوں کے اختلاط اور میل ملاپ کی وجہ سے اس صنفِ شاعری میں ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا۔

ابونواس کی غزلیہ شاعری میں لطف ولذت سے بھرپور زندگی کی عکاسی ہوتی ہے،لذت کوشی ہی کی خاطر اس نے ہر قماش اور ہر سطح کے لوگوں سے ملا اور جہاں کہیں حسن و جمال نظر آیا اس سے آنکھیں سیکیں اور اپنی بے تاب روح کو غذا پہنچائی۔اس کے یہاں نیکی اور بدی بے معنی چیزیں تھیں،اسی لئے اس نے جو کچھ کیا تسکین خاطر کے لئے کیا،لذت یابی کے لئے کیا،جی بھر کر کیا اور علانیہ کیا۔

جنان نامی عورت سے محبت کی تو غزل کے چشمے ابلنے لگے،تقریباً پچاس مقطوعات کہے،لیکن محبت میں ناکامی کے بعد یہ شخص کسی قدر عورتوں سے بے زار ہو چکا تھا،اس کی غزلوں میں وہ شان اور زور نہیں ہے جو زور غزل بالمذکر میں نظر آتا ہے۔

سوم۔ ہزلیات:

اس بات کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس صنف شاعری کا موجد و بانی کون ہے۔زمانہ جاہلیت ،اسلامی دور اوراموی عہد ہی میں باقاعدہ ایک صنف کی صورت میں اس کا اتا پتہ نہیں ملتا۔غزل مذکر کیا تھی؟ یہی امرد پرستی،جس میں حسین و خوب رو لڑکوں سے اظہار عشق ومحبت وہی ڈھب اپنایا گیا ، جو ہمیشہ سے غزل بالمونث میں اپنایا گیا ہے اور یہی ہزلیہ شاعری تھی۔اس کی ہزلیہ شاعری اور مزاحیہ کلام پر تو پورا دیوان مصر سے شائع ہوا ہے،جس کے بیشتر حصے کو مورخین و ناقدینِ ادب من گڑھت بتاتے ہیں۔

دیگر اقسام:

ان اقسام کے علاوہ ہجو گوئی،مرثیہ نگاری اور زہد وغیرہ کی مثالیں بھی ابونواس کے کلام میں ملتی ہیں۔

☆ ہجو گوئی:

ابونواس کے کلام سے پورے طور پر بہرہ مند ہونے اور اس کی شخصیت سے روشناس ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تمام اصناف شاعری کا خواہ مجملاً ہی سہی ایک جائزہ لیا جائے۔یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ ہجو گوئی یا مرثیہ کا شاعر نہیں ہے،لیکن پھر بھی اس کی قادرالکلامی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے،کیونکہ اس نے جس صنف کلام پہ بھی طبع آزمائی کی اس میں اپنا لوہا منوایا۔مثلاً رِقاش کے لوگوں کی ہجو کرتے ہوئے اس نے کہا:

أمات اللّٰهُ من جوعٍ رِقاشاً فلولا الجوعُ ما ماتت رِقَاشُ

ولو أشْمَمْتَ موتاهم رغيفاً و قد سكنوا القبورَ اذاً لعاشُوا

اللہ نے رقاش کو بھوک سے موت دے دی، بھوک نہ ہوتی تو رقاش کے لوگ نہ مرتے۔

اگر ان کے مردوں کو تم نے روٹی (چپاتی) سونگھائی ہوتی اور وہ قبر میں بھی رہ رہے ہوتے تو زندہ ہو جاتے۔

☆ مرثیہ نگاری:

ابونواس کی مرثیہ نگاری اپنی مثال آپ ہے۔ بعض اشعار تو اتنے دردانگیز ہیں کہ قاری و سامع کے ذہن پر ایک دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ بطور مثال ایک شعر ملاحظہ ہو:

يا أمينَ الله مَن لِلنَّدَى وعِصمَةِ الضُّعفَى و فَكِّ الأسيرِ؟

اے اللہ کے امین! اب جود و سخا کا کام کون سنبھالے گا۔ اب کمزوروں کا کون پناہ گاہ بنے گا اور قیدیوں کو کون آزاد کرے گا؟؟

☆ زہد:

ابونواس نے اپنی جوانی میں بغیر کسی خوف و خطر اور بغیر کسی قید و بند کے زندگی کے اتنے مزے لوٹے کہ بڑھاپے سے پہلے جسمانی اعذار اُسے موت کی طرف دھکیلنے لگے، حساس شاعر کو عالم آخرت کے حقائق نظر آنے لگے، تو دل کے اندر سے آہیں اور سسکیاں نکلنے لگیں اور سیدھے عرش الٰہی تک پہنچنے لگیں، عفو و مغفرت کا دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا، خلوص دل سے بارگاہ رحمت میں اپنی لغزشوں کا اعتراف ہونے لگا، آہ و بکا شروع ہوگئی اور اللہ کے حضور امنڈتے احساس ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا گیا اور مومنِ عاصی یوں گریہ وزاری کرنے لگا:

لَهَفَ نَفسى على ليالٍ و أيامٍ تجاوزتُهن لُعَباً و لَهوَا

قَدْ أَسَأنَا كلَّ الاساءةِ فاللّٰهمَّ صَفحاً عنّا، و غَفراً ،و عفوَا

حسرت و افسوس ان راتوں اور دنوں پر جنہیں میں نے کھیل تماشے اور لہو و لعب میں گزار دیئے۔

اے اللہ! ہم نے بڑی زیادتیاں اور ناروا حرکتیں کی ہیں، اے اللہ! تو ہمیں درگزر کر، ہمیں بخش دے اور ہمیں اپنے عفو کرم میں جگہ دے۔

النصوص الأدبية لأبى نواس

١ –دَعْ عنك لَوْمِى فانَّ اللَّومَ اِغرَاءُ

ودَاوِنِى بالتى كانتْ هى الدَّاءُ

٢ –صَفراءُ لا تَنزلُ الأحزانُ ساحَتَهَا

لومَسَّهَا حَجَرٌ مَسَّتْهُ سَرَّاءُ

٣–قامتْ بأبريقِها والليلُ مُعْتَكِرٌ

فَلَاحَ مِن وَجْهِهَا فى البيتِ لَأْلَاءُ

٤–فأرسلَتْ من فمِ الأبريقِ صافيةً

كأنَّما أَخْذُها بالعين اِغْفَاءُ

٥–رَقَّتْ عن الماء حتى مايُلَائِمُهَا

لَطَافَةً، و جَفَاعن شكلِها الماءُ

٦–فلو مَزَجْتَ بها نوراً لَمَازَجَهَا

حتَّى تَوَلَّدَ أنوارٌ و أضواءُ

٧–دَارتْ على فِتْيَةٍ دَانَ الزمانُ لهم

فما يُصِيبُهُم اِلَّا بما شَاءُ وْا

٨–لِتِلْكَ أبْكِى ولا اَبْكِى لِمَنْزِلَةٍ

كانت تَحّلُّ هِنْدُ وأسماءُ

٩–حَاشَا لِدُرَّةٍ أنْ تُبْنَى الخِيَامُ بها

وأنْ تَرُوْحَ عليها الِإبلُ والشَّاءُ

١٠–فَقُلْ لِمَن يَدَّعِى فى العلمِ مَعْرِفَةً

حَفِظْتَ شَيئاً و غَابَتْ عنك أشْيَاءُ

١١–لا تَحْظُرِ العفوَاِنْ كُنتَ امْرأ حَرِجاً

فِاِنَّ حَظْرَكَهُ فى الدين اِزْرَاءُ

الفاظ ومعانی

۱- لام لَؤماً(ن):	ملامت کرنا۔
أغرى اغراءً (افعال):	ابھارنا اشتعال دلانا، امادہ کرنا۔
۲-سَرَّاءُ:	سرور وشادمانی خوشی۔

۳- اعتکر اعتکاراً (افتعال) اللیلُ وأظلم: رات کا سخت تاریک ہونا

اَلَّلأءُ: بہت زیادہ خوشی

۴-أغفى اغفاءً (افعال): اونگھنا، جھپکی لینا، خمار غالب آنا۔

۵-جفا جفاءً (ن) عن: قرار نہ پکڑنا، سازگار نہ ہونا۔

۷-دار دوراً و دوراناً (ن) الدهر به و له : تقلب به: چکر لگانا، گھومانا۔

دان ديناً (ض) له: کسی کے سامنے جھکنا، فرماں برداری کرنا۔

فتىً (ج) فتيان، فتية: جواں مرد۔

۹-دُرَّةٌ (ج) دُرَرٌ: بڑی موتی، زیور (شاعر نے بطور استعارہ اس لفظ کو شراب کے لئے استعمال کیا ہے جو علم کے قائم مقام ہے اور علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے، مگر علم نہ مانا جائے تو منصرف ہوگا)۔

۱۱-حظر حظراً (ن و ض): روکنا، منع کرنا

حَرِجٌ: تنگ کرنے والا (یہاں متشدد مراد ہے)۔

حظركه: تمہارا اس کو ممنوع قرار دینا۔

أزرى ازراءً (افعال): عیب، لگانا ذلیل کرنا۔

ترجمہ

۱-دَعْ عنك لُؤمِي فانَّ اللُّومَ اِغْرَاءُ ودَاوِنِي بالتی کانتْ هی الدَّاءُ

پہلا شعر: مجھے ملامت کرنا چھوڑو، ملامت سے تو میرا شوق اور ابھرے گا، میرا علاج اسی شراب سے کرو جو بیماری ہے (مگر میری بیماری کا یہی علاج بھی ہے)

۲-صَفْراءُ لا تَنزلُ الأحزانُ ساحَتَهَا لومَسَّهَا حَجَرٌ مَسَّتْهُ سَرَّاءُ

دوسرا شعر: یہ زرد رنگ کی شراب ہے، یہ جس جگہ ہوتی ہے، وہاں رنج وغم کا گزر نہیں ہوتا، اگر پتھر بھی اسے ہاتھ لگالے تو وہ خوشی سے جھوم جائے۔

٣–قامتْ بأبريقها والليلُ مُعْتَكِرٌ فَلَاحَ مِن وَجْهِهَا فی البيتِ لألاء

تیسرا شعر: وہ اپنا ساغر لے کر آ گئی، حالانکہ رات بہت تاریک تھی، گھر میں اس کے چہرے کی چمک سے خوشیاں پھیل گئیں۔

٤–فأرسلت من فمِ الأبريقِ صافيةً كأنَّما أَخْذُها بالعين إغْفَاءُ

چوتھا شعر: اس نے ساغر کے منہ سے (جام میں) صاف شفاف شراب انڈیلی۔ گویا (ہاتھوں سے پہلے) اس شراب کو آنکھیں لے (پی) چکی تھیں، جس سے ان آنکھوں میں شراب کا خمار چڑھ چکا تھا۔

٥–رَقَّتْ عن الماء حتى مايُلَائِمُهَا لَطَافَةً، و جَفَاعن شكلِها الماءُ

پانچواں شعر: وہ لطیف شراب پانی سے منفرد تھی۔ اپنی لطافت کی وجہ سے پانی سے ہم آہنگ نہیں ہو رہی تھی اور اس کے مزاج سے الگ ہو کر پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

٦–فلومَزَجْتَ بها نُوراً لَمَازَجَهَا حتَّى تَوَلَّدَ أنوارٌ و أضواءُ

چھٹا شعر: اگر تم اس شراب سے نور (روشنی) کو ملاؤ تو وہ گھل مل جائے گا اور بہت ساری روشنیاں پیدا ہو جائیں گی۔

٧–دَارتْ على فِتْيَةٍ دَانَ الزمانُ لهم فما يُصِيبُهُم إلَّا بما شَاءُ وْا

ساتواں شعر: ساقیہ نے ان جواں مردوں میں جام وسبو کا دور چلایا زمانہ جن کا تابع فرمان ہے، انہیں وہی چیز ملتی ہے جو ان کی چاہت ہوتی ہے۔

٨–لِتِلْكَ أبْكِي ولا اَبْكِي لِمَنْزِلَةٍ كانت تَحَلُّ هِنْدُ وأسماءُ

آٹھواں شعر: اس شراب کے لئے میں روتا ہوں میں (جاہلی شعرا کی طرح سے) کسی ایسے مقام ومنزل کے لئے نہیں روتا جہاں ہند اور اسماء رہا کرتی تھیں۔

٩–حَاشَا لِدُرَّةٍ أنْ تُبْنَى الخِيَامُ بها وأنْ تَرُوحَ عليها الإبلُ والشَّاءُ

نواں شعر: اللہ دُرَّہ (موتی جیسی عمدہ شراب) کو اس بات سے بچائے کہ جہاں یہ شراب موجود ہو، وہاں (بدوؤں کے) خیمے گاڑے جائیں اور سر شام وہاں اونٹ اور بکریاں آئیں۔

١٠–فَقُلْ لِمَن يَّدَّعِي فی العلمِ مَعْرِفَةً حَفِظْتَ شَيئاً و غَابَتْ عنك أشْيَاءُ

دسواں شعر: اس سے کہو جو علم ومعرفت کا دعوی کرتا ہے (تمہیں نہیں معلوم کہ شراب کی قدر و قیمت نہ پہچاننے کی وجہ سے) تم نے علم کا 'کچھ حصہ' محفوظ کر لیا ہے اور بہت سارے علوم تم سے غائب (دور) ہیں۔

١١–لا تَحْظُرِ العفوَإنْ كُنتَ اِمْرأً حَرِجاً فِإنَّ حَظْرَكَهُ فی الدين إزْرَاءُ

گیارہواں شعر: اگر تم تشدد برتنے والے شخص ہو تو خدا کے عفو ومغفرت پہ پابندی نہ لگاؤ، کیونکہ تمہارا اس کے عفو مغفرت کو ممنوع قرار دینا عیب کی بات ہے۔

قصیدہ کا پس منظر:

ابونواس کا تعلق ابراہیم بن سیار بن النَظّام بصری ۱۸۵ھ-۲۲۱ھ مطابق ۷۷۷ء-۸۳۶ء سے بچپن سے تھا۔اس نے النظام سے (جو مسلک اعتزال میں خود النظامیہ کا بانی تھا) سے علم بھی حاصل کیا تھا،استاد نے شاگرد کو اعتزال اختیار کرنے کی دعوت دی،النظام اس میں کامیاب نہ ہوا،تو ابونواس الگ ہوگیا۔ایک موقع پر دونوں کی دوبارہ ملاقات ہوئی،تو نظام نے اپنے پرانے شاگرد دوست کو مسلک اعتزال کی طرف دوبارہ راغب کرنا چاہا،مگر ابونواس نے اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ابونواس چونکہ علانیہ شراب نوشی اور فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا،اس لئے نظام نے اس کو برا بھلا کہا اور جہنم کی بشارت سنائی،شاعر نے اسی کے جواب میں یہ قصیدہ کہا ہے۔

اشعار کی تشریح:

۱— دَعْ عنك لُوْمِی فانَّ اللُّومَ اِغْرَاءُ

وَدَاوِنِی بالتی کانتْ ھی الدَّاءُ

(۱) شاعر پہلے شعر میں شراب نوشی پر کوسنے اور برا بھلا کہنے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتا ہے: شراب جیسی عمدہ نعمت پر کوسنے اور برا بھلا کہنے کا اپنا رویہ بدلو، کیونکہ شراب کے موضوع پر جتنی زیادہ ملامت کروگے،اسی قدر اس کی چاہت و رغبت بڑھتی جائے،تمہیں ملامت کی سوجھی ہے،جبکہ ہم تو اپنی بیماری کا علاج اس شراب سے کر رہے ہیں۔

۲— صَفْراءُ لا تَنزلُ الأحزانُ ساحَتَهَا

لو مَسَّهَا حَجَرٌ مَسَّتْهُ سَرَّاء

(۲) دوسرے شعر میں شراب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ تو وہ فرحت بخش ٹانک ہے۔جہاں یہ پائی جائے وہاں غموں کا گزر نہیں ہوتا۔یہ وہ حیات بخش نسخہ ہے کہ اس سے پتھر بھی چھودے،تو اس میں بھی سرور و شادمانی کے دیئے جل جائیں اور اس کے وجود کی خوشبوئیں بکھر جائیں۔

۳— قامتْ بأبريقها والليلُ مُعْتَكِرٌ

فَلَاحَ مِن وَجْهِهَا فی البيتِ لألاء

(۳) تیسرے شعر میں اس ساقیہ کی تعریف کی ہے۔جو اندھیری رات میں محفل میں ساغر و مینا لئے ہوئے حاضر خدمت ہوتی ہے،تو اس مہ وپروین کے حسن وجمال اور اس کی خندہ لبی سے گھر میں سرور و شادمانی خوشبوئیں پھیل تی ہیں۔

٤— فأرسلت من فمِ الأبريقِ صافيةً

كأنَّما أَخْذُها بالعين اِغْفَاءُ

(۴) اس نازنیں پیکر ساقیہ نے جام میں ایسی شفاف اور شعلہ صفت شراب انڈیلی جس کی تیز چمک سے آنکھوں میں تاب نظارہ نہیں رہا، کیونکہ اس اعلیٰ درجے کی شراب کی دیدار سے آنکھیں مدہوش ہوئی جاتی ہیں۔

۵— رَقَّتْ عن الماء حتی مایُلَا ئِمُهَا
لَطَافَةً، و جَفَاعن شكلِها الماءُ

(۵) اس اعلیٰ درجے کی لطیف اور خوشگوار شراب میں جب پانی ملایا جاتا ہے، تو دونوں میں امتزاج اور ہم آہنگی نہیں پیدا ہو پاتی (دونوں الگ الگ زاویے میں ہوتے ہیں)۔

٦— فلو مَزَجْتَ بها نُوراً لَمَازَجَهَا
حتَّى تَوَلَّدَ أنوارٌ و أضواءُ

(٦) لیکن اسی شراب میں جب نور کی آمیزش کرو گے، تو دو طرح کے نور کے امتزاج سے کائنات بقعہ نور بن جاتی ہے اور ہر چہار سو نور کے فوارے اُبلنے لگتے ہیں۔

٧— دَارتْ على فِتْيَةٍ دَانَ الزمانُ لهم
فما يُصِيبُهُم اِلَّا بما شَاءُوْا

(۷) ان نوجوانانِ مے کشوں کو زمانہ یہاں کھینچ لایا ہے (کیونکہ زمانہ ان کے تابع ہے، یہ زمانے کے تابع نہیں ہیں)، یہ ایک تقدیری فیصلہ ہے۔ اب حسبِ منشا یہ جام کے جام لنڈھا رہے ہیں اور اپنی امنگیں پوری کر رہے ہیں۔

٨— لِتِلْكَ أبْكِي ولا اَبْكِی لِمَنْزِلَةٍ
كانت تَحّلُّ هِنْدُ و أسماءُ

(۸) میں اپنی محبوبہ کے لئے روتا ہوں اور میری محبوبہ یہی شراب کہن ہے۔ میں جاہلی دور کے عربوں کی طرح سے ہند اور اسماء جیسی محبوباؤں کی یاد میں آنسو نہیں بہاتا۔ ان کے مسکن کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر ماضی کی یادوں میں کھو کر آہیں اور سسکیاں نہیں بھرتا۔

٩— حَاشَالِدُرَّةٍ أنْ تُبْنَى الخِيَامُ بها
وأنْ تَرُوْحَ عليها الِإبلُ والشَّاءُ

(۹) دُرَّہ (انگور کی بیٹی، شراب) کا مقام و مرتبہ بہت اعلیٰ وارفع ہے، جس جگہ دُرَّہ جیسی یہ شراب ہوگی، اس جگہ کو بھلا ہند اور اسماء جیسی محبوباؤں کی جگہوں سے کیا نسبت؟ کیونکہ جب تک وہ رہیں، خیمہ زن رہیں اور جب اپنے خیمے چھوڑ کر چلی گئیں، تو یہ جگہ جنگلی جانوروں کا مسکن بن گئی (خدارا! شراب اور عرب شعرا کی محبوباؤں کو ایک سطح پر نہ رکھو)۔

١٠— فَقُلْ لِمَن يَّدَّعِي فی العلمِ مَعْرِفَةً
حَفِظْتَ شَيئاً و غَابَتْ عنك أشْيَاءُ

(۱۰) اے علم کے خزانے سمیٹنے والے! اور اے فلسفہ و معرفت کے اپنے کو علمبردار سمجھنے والے! یہ تم نے کیسے یہ خیال کر لیا کہ تم نے ہر شی کی حقیقت پا لی ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ بس ایک خیال خام ہے۔ تم نے 'کچھ' جانا مگر شراب کی حقیقت

١١– لا تَحظُرِ العفوَاِنْ كُنتَ اِمرأً حَرِجاً

فِاِنَّ حَظرَکَہُ فی الدین اِزْرَاءُ

(١١) تمہارا یہ دعوی غلط ہے کہ اللہ معاف نہیں کرے گا، تمہاری دینی معلومات خواہ جس درجے کی ہو، تم عفو کرم کے مالک نہیں ہو، اس کا حق صرف اللہ کو ہے اور تم اللہ کی مغفرت پہ روک نہیں لگا سکتے۔ تمہارا اللہ کی مغفرت پہ بندش عائد کرنا دین کی تحقیر اور اس کی شان میں صریح گستاخی ہے۔

قصیدہ اپنے شکل و مضمون کے اعتبار سے:

(الف) فنی محاسن:

"لو مسها حجر مسته سراء "۔شاعر نے شراب کو ’’آب حیات‘‘ بنا کر پیش کیا ہے کہ اُس سے پتھر بھی چھو جائے تو اس میں زندگی کی رَو (کرنٹ) دوڑ جائے اور احساس مسرت سے وہ کھلکھلا اٹھے۔

"فلاح من وجهها فی البیت لألأء"۔شاعر نے ساقیہ کے حسن و جمال کی ایسی عمدہ تصویر پیش کی ہے کہ پورا منظر تصور میں رقص کرنے لگتا ہے۔ وہ جس سج دھج کے ساتھ بادہ خواروں کی مجلس میں جام شراب کا دور چلانے آئی ہے، تو اس کی آمد سے نوجوانوں کے چہروں پہ شادمانی کے پھول تو کھلتے ہی ہیں، گھر بھی مسرتوں کے نور سے جھوم اٹھتا ہے۔

"کأنما أخذها بالعین اغفاء"۔ساقیہ ساغر کی ٹوٹی سے جام میں شراب انڈیل رہی ہے، میکش کی نگاہ اس منظر کو دیکھ رہی ہے اور شراب ہے کہ اُس نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور پھر اس نے جام بھرا نہیں کہ آنکھیں شراب کا ذائقہ لینے لگیں، اس کا نشہ بھی جسم کے رگوں میں اترنے لگا اور آنکھوں میں رچنے لگا، اب وہ ساقیہ کے ہاتھوں سے جام شراب لے رہا ہے، مگر ایک مدہوشی کی سی کیفیت طاری ہے اور ہاتھوں میں کپکپی جاری ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب شراب حلق سے اترے گی تو نشہ کا کیا عالم ہوگا۔

"جفا عن شکلها الماء" ۔ پانی بھی لطیف اور شراب بھی لطیف، مگر شراب کی لطافت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ دونوں میں یکجائی کے باوجود، دونوں کو ایک کو دوسرے میں گھل مل جانا گوارہ نہیں۔

"فلو مزجتَ بها نورا" ۔شاعر نے یہاں شراب کے نور کو اور نور مادی یا نور ازلی دونوں لطیف نور کو ہم آہنگ بتایا ہے، شراب کا نور پینے والے کے بدن کو دو آتشہ کرتا ہے اور مادی نور آنکھوں کو راہ سوجھاتا ہے (اور نور الٰہی دلوں کی دنیا روشن کرتا ہے)۔

(ب) مضمون و مواد:

☆ **قدیم عربی روایات کا مذاق:** عرب شعرا کی پسندیدہ ریت و رواج یہ تھا کہ اپنے قصیدہ کا آغاز غزل سے کرتے تھے۔ وہ محبوب کے سابقہ دیار و منازل سے گزرتے ہوئے ایک گھڑی رک کر ماضی کے حسین لمحات کی یاد اور محبت و عشق کے میٹھے میٹھے درد پہ آنسو بہا لیتے تھے، اپنی شاعری میں مزے لے کر محبوبہ کے کھنڈرات یا نشانات کا ذکر کرتے، جو آج ویرانے میں تبدیل ہو چکے ہیں.....لیکن بشار بن برد نہ صرف یہ کہ اس ریت و رواج کے خلاف شراب کے ذکر سے اپنے کلام کا آغاز کرتا ہے، بلکہ شاعر اس قدیم عربی روایات کا مذاق بھی اڑاتا ہے۔

☆ **شرابی شاعر کی حساسیت:** شاعر کی محبوبہ شراب کے معاملے میں اس کی حساسیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ، بدوؤں کے جن خیموں کے اردگرد ان کی بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کا بسیرا ہوتا ہے اور ان کے وجود سے چاروں طرف بساند پھیلی ہوتی ہے، وہاں کی آلودہ فضا میں شراب جیسی پاکیزہ 'نعمت' سے لطف اندوز ہونے کو ناپسند کرتا ہے۔ شاید شاعر کے ذوق جمال کا تقاضا یہ ہے کہ آرائش و زیبائش سے مزین شاندار کوٹھیوں میں اور کسی بت طناز کی مرمریں ہاتھوں ہی سے پی کر داد عیش دینا شراب کی شایانِ شان ہے۔ ممکن ہے شاعر نے یہ بھی خیال کیا ہو کہ قصیدہ کا آغاز شراب کے ذکر سے کرنا آج کے مہذب انسان کی ضرورت ہے۔ قدیم روایات پارینہ ہو چکے، نہ خیمے رہے، نہ خیموں کے باسی رہے، تو ان کا ذکر ہی کیوں؟ اور ان کے طور طریقوں پر اصرار کیوں؟

(ان مذکورہ بالا خیالات کا اظہار شاعر نے آٹھویں اور نویں دو اشعار میں کیا ہے۔)

☆ **شاعر کی باغیانہ روش:** شاعر معاشرے کی دینی اقدار و روایات کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کرتا ہے، علانیہ شراب نوشی کرتا ہے، اسلام نے جس کو حرام قرار دیا ہے، اسی کو دوا سمجھتا ہے، اسی ضمن میں وہ ان خیموں میں رہنے والے عربوں کا بھی مذاق اڑاتا ہے جو شراب کے عادی تو تھے، مگر شراب کی خاطر وہ اپنے اونٹوں اور بکریوں سے بیزاری کا اظہار نہیں کر سکتے تھے، ابونواس کا خیال ہے عرب جانوروں کے بدبو زدہ ماحول میں شراب کو گندہ کرتے ہیں۔ (یہ خیال اس نے پہلے اور ساتویں شعر میں ظاہر کیا ہے)۔

☆ **ایرانی تمدن کا اثر:** شاعر ایرانی نژاد ہے، جب عربی روایات کا مذاق اڑاتا ہے، تو وہ اپنے عقائد و خیالات، اپنی قدیم ایرانی روایات اور اپنے طرز عمل کا پورے جوش کے ساتھ دفاع کرتا ہے، کیونکہ یہ ایرانی تمدن سے متاثر ہے، یہاں نہ صرف یہ کہ اس کی ایرانی قومیت انگڑائی لینے لگتی ہے، بلکہ عربی روایت کی روایت پرستی پر طنز کے تیر و نشتر چلاتا ہے (آٹھویں اور نویں شعر)۔

☆ **شاعر ضرور ثواب سے مالا مال ہوگا:** شاعر جب شراب نوشی پر اپنے ملامت گر (النظّام) کی ملامت سنتا ہے، تو اس پر تنقید کرتا ہے، اس کے علمِ کل کی نفی کرتا ہے اور دعوی کے ساتھ کہتا ہے کہ اللہ فوراً بندے کو اس کے گناہ پر سزا نہیں دیتا، بلکہ سزا کو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے اور جب بندہ توبہ کر کے دنیا سے جائے گا اور اللہ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو ثواب سے مالا مال ہوگا، یہاں شاعر پورے طور پر رجائی معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے مرجئہ کے عقیدہ سے متاثر ہو کر اس نے یہ بات کہی ہو۔ (شاعر کے یہ خیالات آخری شعر سے جھلک رہے ہیں۔)

خلاصہ:

پیدائش: ابونواس ایران کے شہر اہواز میں پیدا ہوا، اس کی تاریخ پیدائش کے بیان میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے، لیکن اس بات پر مورخین کا اتفاق ہے کہ اس نے ۶۸ سال کی عمر پائی اور ۱۹۸ یا ۱۹۹ھ مطابق ۸۱۴ یا ۸۱۵ء میں انتقال ہوا۔ اس لحاظ سے تاریخ پیدائش ۱۳۰ یا ۱۳۱ھ مطابق ۷۴۷ یا ۷۴۸ء بنتی ہے۔

شخصیت: ابونواس وجیہ و شکیل، فصیح و بلیغ، ذہین و طباع اور حساس اور قوی یادداشت کا مالک تھا۔ شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے، یہ ذہین لڑکا ۶۰ عورتوں کا کلام ازبر کر چکا تھا، شعر کہنا شروع کیا تو پھر شاعری کا چشمۂ رواں کہیں جا کر تھما نہیں۔ تمام اصناف پر شاعری کی اور شعر و ادب کو ندرت و جدت سے معمور کر گیا۔

شاعری جلا پائی: ابونواس نے بصرہ میں اپنے فن کے بڑے بڑے علما اور ماہرین سے مختلف علوم کی تحصیل کی، والبہ بن حباب اُسے کوفہ لے کر آیا، یہاں ابونواس کو والبہ کے ہم خیال و ہم مزاج لوگوں کی صحبت ملی، جس سے اس کی اخلاقی شخصیت زوال پذیر اور گنہگار ہوتی چلی گئی، مگر شاعرانہ کمال پروان چڑھتا گیا اور نقطۂ عروج تک جا پہنچا، اس کے بعد تو اس کے گلشن کا ہر شعر گلِ خنداں ہو گیا۔ پھر شدہ شدہ اس کا تذکرہ ہارون رشید تک جا پہنچا اور ایک دن اس کے دربار سے منسلک ہو گیا۔

شاعرانہ کمال: ابونواس جدید دبستان فکر کا نمائندہ شاعر ہے، اس کو مولدین میں وہی مقام حاصل ہے جو امرؤ القیس کو جاہلی دور میں اور محمود سامی بارودی کو جدید دور میں۔

اس نے شاعری کی کوئی ایسی صنف نہیں چھوڑی جس میں اس نے اپنے فنی کمالات کا اظہار نہ کیا ہو۔

اس کی شاعری صنعت لفظی اور صنعت معنوی دونوں سے پاک ہے، زبان و بیان شیریں و شگفتہ، اسلوب بیان میں سحر انگیزی ہے، وجدانی موضوعات میں اس نے استادانہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ابداع و ابتکار پیدا کیا ہے۔

خمریات کے فن کو عروج تک لے جانے میں امامت کے درجے پر فائز ہے، اس موضوع سے تو شاعر کو عشقِ بتاں سے بڑھ کر محبت ہے، اس نے خمریات کو نئے نئے جوڑے پہنائے ہیں اور رفیقۂ حیات کی طرح سے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا ہے۔

ابونواس کی شاعری کو قصائد، غزلیات، خمریات، ہزلیات اور دیگر ابواب مثلاً، ہجو گوئی، مرثیہ نگاری اور زہد وغیرہ میں تقسیم کیا گیا ہے۔

سوالات:

۱- ابونواس کی پیدائش، اس کی شخصیت اور بصرہ میں اس کی زندگی کے بارے میں اہم معلومات تحریر کریں؟

۲- والبہ بن حباب سے ابونواس کی ملاقات کا کیا قصہ ہے؟ اور اس کی صحبت سے ابونواس کو کیا فائدہ اور کیا نقصان پہنچا؟

۳- کیا ابونواس ہارون رشید کے دربار سے وابستہ تھا؟ اگر ہاں تو کس طرح اس کے دربار تک پہنچا؟

۴- ابونواس کے شاعرانہ نبوغ وکمالات پہ ایک جامع نوٹ تحریر کریں؟

۵- کن خوبیوں کی وجہ سے ابونواس کو خمریات کا امام کہا جاتا ہے؟

۶- ابونواس کے کلام کو کتنے ابواب (اقسام) میں تقسیم کیا گیا ہے؟ آپ ان میں سے کسی ایک پر اپنا حاصل مطالعہ مع مثالوں کے تحریر کریں؟

۷- ''دع عنك لؤمي .....''، اس شعر کی روشنی میں قصیدے کا پس منظر بیان کریں اور شروع کے چار اشعار کی تشریح کریں؟

۸- آخر کے تین اشعار (۹-۱۱) کا ترجمہ کریں اور الخيام ۔الابل۔الشاء۔ کا واحد لکھئے اور دُرّة کی وضاحت کیجئے؟

۹- "فلاح من وجههافي البيت لألأء" اور "كأنما أخذها بالعين اغفاء" میں جو معنویت اور فنی حسن ہے اس کو ظاہر کریں؟

۱۰- اس نص (نمونے) کی روشنی میں شاعر کی بنیادی فکر اور ظاہری شکل پہ اظہار خیال کیجئے؟؟ خوب سوچ سمجھ کر لکھئے؟

مراجع

أبو نواس	ازعبدالرحمٰن صدفی
أبو نواس	ازعبدالحلیم عباس
حديث الأربعاء	ازطہ حسین
أبو نواس والخمرة	ازکمال الیازجی
أبو نواس الحسن بن هانی	ازمحمد امین
تاريخ الأدب العربی	ازحنا فاخوری
تاريخ الأدب العربی العصر العباسی (تیسرا حصہ)	ازڈاکٹر شوقی ضیف
تاريخ الأدب العربی العصر العباسية	ازعمر فروخ

اکائی نمبر۔۵: ابن الرومی-ایک تعارف

۱۔ خاندان

۲۔ ابتلاوآزمائش

۳۔ بڑے بھائی کی توجہ اور تعلیم

۴۔ اخلاق

۵۔ شاعری

۶۔ مدحیہ قصائد

۷۔ ہجویہ شاعری

۸۔ غزل گوئی

۹۔ مرثیہ نگاری

۱۰۔ وصف نگاری

۱۱۔ ابن الرومی ایک عبقری شاعر ہے

۱۲۔ معنی کی گہرائی اور فطرت کی ترجمانی ہے

۱۳۔ نصوص ادبیہ

۱۴۔ الفاظ ومعانی

۱۵۔ ترجمہ

۱۶۔ کچھ وضاحتیں

۱۷۔ تشخص کے عمل میں زندگی کی رو

۱۸۔ قصیدہ میں چھپا شاعر کا درد دل

۱۹۔ خلاصہ

۱۰۔ سوالات

۱۱۔ مراجع

اکائی-۵ ابن الرومی: تعارف

خاندان:

ابوالحسن علی ابن عباس ۲۲۱ھ مطابق ۸۳۶ء کو بغداد میں پیدا ہوا۔ ابن الرومی کے لقب سے مشہور ہوا۔

جُرجیج یا جرجیس، یا جورجیوس نامی ایک رومی شخص عبیداللہ بن عیسی بن جعفر (جو عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کا بیٹا تھا) کے ہاتھ میں اسلام قبول کیا اور اسی کے وِلا (خاندان) میں رہنے لگا، ماں ایرانی خاتون ہے، جس کا نام حسنہ بنت عبداللہ سجزی یا سجستانی ہے۔ عبیداللہ بن عیسی کی نظر عنایت کی وجہ سے ابن رومی کا یہ خاندان قریب قریب اہل ثروت میں شمار ہوتا تھا۔

ابتلا و آزمائش:

ابن الرومی کی پوری زندگی سخت ابتلا و آزمائش میں گزری ہے، جس کی پوری ترجمانی اس نے اپنے اشعار کے ذریعے کی، باپ ایک زمیندار اور صاحب ثروت آدمی تھا۔ وراثت میں بہت کچھ ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اس میں کا بڑا حصہ تعیّشات کی نذر ہوگیا۔ پھر آگ لگنے کا حادثہ پیش آیا، جس سے پوری جائداد خاکستر ہوگئی۔ اُدھر قدرت کی ماریوں پڑی کہ زراعت ٹڈیوں کی خوراک بن گئی۔

ابن الرومی نے اپنی زندگی میں بڑے دکھ جھیلے۔ بچپن میں باپ مرگیا، تو بھائی کی کفالت میں رہنا پڑا، پھر والدہ، بڑا بھائی، بیوی، تین تین بچے اور خاندان کے دیگر افراد یکے بعد دیگرے لقمہ اجل بنتے چلے گئے۔

ابن الرومی نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں، دونوں سے اولادیں بھی ہوئیں، لیکن یہ ازدواجی زندگی کبھی اس کے لئے وجہ سکون اور راحت قلب و جان نہ بن پائی۔ ایک بیوی کا انتقال تو زندگی ہی میں اسی کی آنکھوں کے سامنے ہوگیا، باپ کے بعد ماں کا مرنا سوہان روح ثابت ہوا، بڑے بھائی کے مرنے سے بڑے کا سایہ بھی اُٹھ گیا، یہ بڑا بھائی ابن رومی کے لئے ایک باپ، سرپرست اور دستِ راست کی حیثیت رکھتا تھا۔

یہ وہ اسباب تھے کہ اس کی شاعری آتش کدہ غم اور تابش جذبات کا مجموعہ بن گئی۔

بڑے بھائی کی توجہ اور تعلیم:

ابن رومی کو بڑے بھائی کی کفالت، عنایت اور خصوصی توجہ حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ رواج کے مطابق اس نے علوم متداولہ؛ زبان، نحو، ادب اور دینی علوم کے علاوہ؛ علوم عقلیہ، فلسفہ اور علم کلام وغیرہ حاصل کیا۔ اس کو ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا اچھا موقع ملا تھا، ابن رومی کے زمانے میں جلیل القدر فقہا، علما، ادبا اور بلاغت وعلم الأنساب کے ماہرین سے بغداد کی سرزمین لالہ زار تھی۔ خصوصیت کیساتھ جن اساتذہ سے ابن رومی نے کسب فیض کیا، ان میں نمایاں نام شیخ محمد حبیب اور شیخ ابوعباس ثعلب کا ہے۔

ابن رومی کے بڑے بھائی کو بھی زبان وادب اور شعروشاعری کا ذوق عمدہ ملا تھا۔ پھر اس کی حیثیت اپنے چھوٹے بھائی کے اتالیق کی تھی، ابن رومی کو ادب وشاعری کی مجلس میں خاصا وقت گزارنے کا موقع ملتا رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ شعروشاعری کا فطری ذوق خوب پروان چڑھا اور ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے اس کو شہرت ملنے لگی اور یہی شعروشاعری آگے چل کر اسباب عیش

وعشرت اور مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بنی۔

اخلاق:

یوں پیہم حوادث کے زد میں آتے رہنے سے یہ شخص قنوطی، انتقامی، بدخلق، بات بات پر شگون لینے والا بن گیا، اس کی نفسیات میں ایسی گرہیں پڑ گئیں کہ خطرات کے ڈر سے سفر سے گریز کرنے لگا، اس نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ بغداد سے سامرا کا سفر کیا جو ۴۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔

بدشگونی اس کے لاشعور میں رچ بس گئی تھی، دن بھر گھر سے نہ نکلتا تھا، زندگی کو سیاہ عینک سے دیکھنے اور بات بات پر فال لینے کا عادی ہو گیا۔

کسی امیر نے جو اس کے دوستوں میں تھا، اس نے اقبال نام کے خادم کو بلا بھیجنے کے لئے روانہ کیا کہ اس نام سے نیک فال لے، ابن رومی امیر کے یہاں جانے کے لئے تیار ہو کر نکلا بھی، ابھی سواری پہ بیٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ یکا یک اس نے خادم سے کہا جاؤ، اپنے مالک سے کہہ دینا، میں نہیں آ سکتا، کیونکہ تم بلائے جان ہو! تمہارے نام (اقبال) کو الٹ کر پڑھا جائے تو لا بقا (لا بقاء: زندگی باقی نہ رہے) نکلتا ہے، اس میں بدشگونی چھپی ہوئی ہے۔

ابن رومی فال اور بدشگونی لینے کے علاوہ اخلاق ومروت سے بھی عاری تھا، یہ خود فریبی، بدخلقی، بدمعاملگی، غرور و گھمنڈ، تحیر وتذبذب، قنوطیت اور فکری پراگندگی کا شکار تھا، اس کی شہرت وکمالات سن سن کر لوگ قریب آتے گئے اور اس کی بدخلقی کے نتیجے میں ایک ایک کر کے دور ہوتے چلے گئے۔ ابن رومی تشیع کے معاملے میں پختہ تر تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفا کے درباروں کے جود وسخا سے وہ ہمیشہ محروم ہی رہا، مدحیہ قصائد اس نے امرا و وزرا کی شان میں کہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسے زہر دے کر مارا گیا اور اس کی جو وجہ بتائی جاتی ہے، وہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ آخر ۲۸۳ھ مطابق ۸۹۶ء میں وفات پائی۔

شاعری:

ابن رومی کا شمار دور عباسی کے بڑے مولدین شعرا میں ہوتا ہے، یہ وہ شاعر ہے جس نے نو خلفا کا زمانہ پایا، اگرچہ اپنی شیعیت نوازی کی وجہ سے ان کی صحبت سے محروم ہی رہا۔

ابن رومی ایک فطری شاعر ہے، اس کے یہاں آورد اور تکلف کا ذرا بھی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ یہ نہایت پرگو شاعر ہے اور طویل قصیدے کہنے کا عادی ہے، اس نے تمام اصناف سخن پہ طبع آزمائی کی ہے؛ مدح، ہجو، عتاب، فخر، وصف، حکمت، غزل، مرثیہ وغیرہ، اس کے یہاں مضامین اور موضوعات کی بہتات ہے، عام طور سے وجدانی کیفیات اس کی شاعری میں روح کی طرح سے جاگزیں ہوتی ہے۔ اب ہم اس کے فنی کمالات کو اختصار کے ساتھ الگ الگ حیثیتوں سے بیان کرتے ہیں:

ابن رومی عبقری شاعر ہے: ابن الرومی غیر معمولی صلاحیت کا، قادر الکلام اور عبقری شاعر تھا۔ ہر صنف سخن میں اس نے طبع آزمائی کی خصوصاً ہجو اور وصف کے باب میں تو وہ اپنے عہد کا ممتاز شاعر تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ اس کی ہجو میں فحش کا عنصر بہت غالب ہے اور اس کا قصیدہ طویل ہوتا ہے۔

فکر آفرین اور جدید معانی کا شاعر تھا: شاعرانہ نبوغ میں یہ ایک باکمال شاعر ہے، بلکہ اس کا امکان غالب ہے کہ معانی وافکار، تولید وتخلیق (اختراع وابتکار) میں اپنے سے سابق شعرا پر فائق وبرتر ہو۔

اس کے یہاں معنی کی اہمیت تھی: ابن رومی کے یہاں الفاظ پر معنی کو ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہے، مگر عمدہ اور موزوں لفظ کے انتخاب میں بے توجہی نہیں برتتا۔ رہی اس کی جدت پسند طبیعت تو نئے نئے عناوین اور موضوعات تلاش کرتی رہتی ہے اور جب وہ کسی موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے، تو نادر معانی اور نئے نئے افکار لاتا ہے۔

ابن الرومی کے کمال ونبوغ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ متنبّی جیسا انانیت پسند شاعر رومی کے اشعار کی روایت کرتا ہے۔ ابن رشیق نے العمدہ میں کہا ہے کہ ''ابن رومی لفظ پر معانی کو ترجیح دیتا ہے''۔

موضوع کا احاطہ: ابن رومی جہاں نئے نئے معانی کے موتی تراش کر اپنے کلام کے دروبست کو مزین کرتا ہے، وہیں اپنے اختیار کردہ موضوع کے افکار ومعانی کا ایسا استقصا کرتا ہے کہ اس کا کوئی زاویہ، کوئی گوشہ اور کوئی نکتہ چھوٹنے نہیں پاتا۔ اس کے انداز پیش کش میں گہرا منطقی ربط ہوتا ہے اور قاری منظوم قصیدے کو پڑھتے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ کسی معیاری علمی مقالے کی طرح سے موضوع سے متعلق کسی جز کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، یعنی موضوع کی وحدت کی رعایت میں کوئی اس کا ہمسر اور حریف نہ ہوسکا۔

مدحیہ قصائد:

ابن رومی نے اگرچہ لڑکپن ہی سے شاعری کا آغاز ایک عباسی لڑکے کی ہجو سے کر دیا تھا، جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ آئندہ زندگی میں یہ صنف سخن ابن رومی کے اعصاب پر حاوی رہے گا، لیکن جب بغداد کی سرکردہ شخصیتوں میں اس کے کلام کا چرچا ہوا اور اسے ان کی شان میں اپنا کلام پیش کرنے کا موقع ملا، تو اس نے سب سے پہلا مدحیہ قصیدہ بغداد کے گورنر ابوالعباس محمد بن طاہر کی خدمت میں پیش کیا، گورنر ذوقِ سخن فہمی خوب رکھتا تھا، مالی انعام سے نوازنا تو دور رہا الٹے وہ ابن رومی کے بعض اشعار پہ تنقید وتبصرہ کر گیا، (نہ نوازنے کی وجہ غالباً اس گورنر کا بخل تھا) ابن رومی کہاں چوکنے والا تھا، جھٹ اس نے کہا:

مدحتُ أبا العباس أطلُبُ رِفْدَهُ فَخَيَّبَنِي من رِفْدِهِ وهَجَا شعري

میں نے ابوالعباس محمد بن طاہر کی تعریف کی، میں اس کی مالی مدد کا خواہاں تھا، مگر اس نے مجھے مدد سے بھی محروم رکھا اور میرے اشعار میں عیب نکال گیا۔

ابن رومی نے کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا، وصف، مرثیہ، مدح، غزل، فخر اور عتاب آپ کی شاعری کے نمایاں اصناف ہیں۔ ان میں مدحیہ قصائد کو خاص مقام حاصل ہے۔ ابن رومی نے تقریباً چالیس افراد کی مدح میں قصائد کہے ہیں، آل طاہر اور آل وہب بطور خاص شاعر کے ممدوح رہے، بعض قصائد بہت طویل ہیں۔ ان مدحیہ قصائد میں مدح وتعریف سے زیادہ حکمت، فخر وحماسہ اور شکوہ شکایت جیسے موضوعات در آئے ہیں۔

ہجو گوئی:

ہجو گوئی میں ابن رومی کے قصائد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ معتدل ہجوگوئی: اس حصے میں چھوٹے چھوٹے قصائد کہتا ہے اور ایک دائرہ میں رہتے ہوئے شاعر اپنے مدمقابل کی ہجو کرتا ہے اور صرف اس کے چند ناپسندیدہ صفات کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے۔

۲۔ اقدامی ہجوگوئی: اس میں قصائد لمبے لمبے ہوتے ہیں، جس میں شاعر تہذیب وشرافت کی تمام حدوں کو پار کرتے ہوئے اپنے حریف کی جہاں تک ممکن ہو برائی بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن رومی کو سب سے بڑا ہجوگو شاعر قرار دیا گیا ہے۔ایک بخیل شخص جس کا نام عیسی ہے، اس کی ہجو میں اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

يُقَتِّرُ عيسى على نفسه و ليس بباق ولا خالدِ

فلو يستطيع لتقتيره تَنَفَّسَ مِن مِنْخَرٍ واحدِ

عیسی اپنے آپ کے ساتھ بے حد بخل سے کام لیتا ہے، حالانکہ اسے ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔

اپنے بخل کی وجہ سے اس کا بس چلتا تو ایک نتھنے سے سانس لیتا۔

عمر فروخ کا کہنا ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں ابن رومی کو ہجونگاری کے باب میں سب سے بڑھ کر قادر الکلام ہجو نگار مانا گیا ہے۔اس موضوع پہ جب اس کی فطری شاعرانہ لیاقت کے سوتے پوٹھتے ہیں تو وصف نگاری اور تجزیاتی رجحان چھا جاتا ہے اور ایسی شاندار و نادر تصویر دکھاتا ہے کہ سننے والا شاعر کا طرفدار اور مہجو (جس کی ہجو کی گئی) سے بے زار ہو جاتا ہے۔ابن رومی جب ہجو کی ٹھان لیتا ہے تو دونوں طرح کی کمزوریوں مثلاً؛ اخلاقی کمزوریوں میں بزدلی، بخل، ہچکچاہٹ وغیرہ اور جسمانی عیوب و نقائص جیسے لنگڑاپن، کبڑاپن، بدصورتی، لمبی داڑھی جیسے عیوب پر نشانہ سادھتا ہے۔ایک کبڑے شخص کی ہنسی اڑاتے ہوئے کہتا ہے:

قَصُرتْ أخادعُهُ و طالَتْ قَذالُهُ فكأنَّه مُتَربِّصٌ أن يُصفَعَا

اس کی گردن جھک گئی ہے اور اس کی گدی دراز ہوگئی ہے، گویا کہ وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ اس کی پیٹھ پر چپت رسید کیا جائے۔

لمبی داڑھی والے کسی شخص پہ اس نے ٹھٹھا کرتے ہوئے کہا:

علَّقَ اللهُ فی عَذَارَيك مِخْلَا ةً، و لكنَّها بغيرِ شَعِيرِ

اللہ نے تمہارے دونوں رخساروں سے ایک توبڑا لٹکا دیا ہے، لیکن اس میں جو (دانہ) نہیں ہے۔

ابوحفص نامی شخص کی چندیا صاف سپاٹ رہی ہوگی، اس کی تصویر اس نے یوں کھینچی ہے:

و صَلْعةٍ لأبی حَفْصٍ مُمرَّدَةٍ كأنَّ صفحَتَها، مرآةُ فولاذِ

ابوحفص کی چکنی چندیا ایسی ہے گویا اس کی بالائی سطح پر ایک فولادی آئینہ۔

غزل گوئی:

غزل کے موضوع پر اس کی شاعری میں شیرینی، اثر انگیزی ہے اور وصف نگاری کا عنصر بہت حاوی ہے۔اس نے مستقل غزلیں بھی کہی ہیں اور اور اپنے قصائد کے آغاز میں بھی اس موضوع کو چھیڑا ہے۔

ابن رومی، ابونواس اور بحتری کی طرح سے غزل میں مذکر کے صیغے استعمال نہیں کرتا، یا امرد پرستی کی دناءت سے دور رہتا ہے، تاہم اس کی غزل میں داستانِ عشق وفا اور فراق کا درد وسوز مفقود ہے، جو کچھ ہے وہ محبوب کے قیامت خیز حسن وزیبائی

کی تصویر گری ہے اور اعلیٰ درجے کی منظر نگاری۔

مرثیہ نگاری:

اس کی مرثیہ نگاری میں ایک حصہ اس کے اپنے اہل واولاد سے متعلق ہے، اس میں جذبہ کی شدت، غم واندوہ کی تلخی اور جذبات کی سچی عکاسی پائی جاتی ہے۔ کئی بیٹوں کے بعد جب اس کا منجھلا لڑکا بھی فوت ہو گیا تو اس نے جس درد سے اپنے مرثیہ میں نالہ وشیون اور اندرونی کرب کا اظہار کیا ہے، اس میں جذبۂ پدری کا اظہار تو ہے ہی، مگر اس سے بڑھ کر اس کی فنی عبقریت کی کراہ محسوس ہوتی ہے:

تَوَخَّى حِمَامُ الموت أوسطَ صِبْيَتِيْ　　　فَلِلّٰهِ كيف اختارَ واسطةَ العِقْدِ

موت نے میرے منجھلے بچے کو چن لیا، ہائے رے اللہ کی شان! کیسے ہار کے درمیانی موتی (لاکیٹ) کو پسند کر لیا!!

تاہم اپنے جذبات کی عکاسی کو اولیت اور میت کے اوصاف کے ذکر کو ثانوی درجے میں رکھتا ہے۔

خاندان سے باہر جن لوگوں پر مرثیہ کہا گیا ہے، اس میں تکلف کا اثر غالب ہے اور جذبات سے تقریباً عاری ہے۔

وصف نگاری:

حقیقت میں دیکھا جائے تو ادب وصف نگاری کا نام ہے، ابن رومی اس میدان کا شہسوار ہے، وصف نگاری اس کے شعوری جذبات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ مدح ہو، مرثیہ ہو، غزل ہو، ہجو ہو، کسی بھی خیال کا اظہار ہو، ابن رومی ایک کامیاب وصف نگار ہے، اس کی وصف نگاری میں مادی پیکر بھی مطلوب ہے اور معنوی موضوعات بھی، مناظر قدرت کی بھی وصف نگاری ہے اور کھانے کی وسیع میز میں سجے نوع بنوع کھانوں کی بھی وصف نگاری بھی۔

ابن رومی نابغہ روزگار شاعر ہے، اس لئے وہ کائنات کی موجودات کی وصف نگاری اپنی ذات کے حوالے سے کرتا ہے، تو ظاہر اس کے باطن کی تفسیر اور اس کا باطن اس کے ظاہر کے لئے شعوری تجربہ گاہ بن جاتا ہے۔

ابن رومی اپنے موصوف (کائنات میں بکھرے مناظر قدرت اور کائناتِ باطن میں موجود جذبات کی سورش) کی وصف نگاری کرتا ہے، تو استقصا واحاطہ کا حق ادا کر دیتا ہے، جس کی طرف 'موضوع کا احاطہ' میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابن رومی ایک عبقری شاعر:

ابن الرومی پر تبصرہ کرتے ہوئے حنا فاخوری نے کہا:

''ابن الرومی یکتائے روزگار شاعر ہے، عبقریت کا حامل ہے، سب عبقریوں سے بڑھ کر عبقری اور سب سے بڑھ کر دور رس۔ یہ تہذیب جدید کا آدمی بننے میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ مگر عربوں کے روایتی اندازِ شاعری سے بچ نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ شاعری کی دنیا میں اپنے لئے ایک مخصوص اور امتیازی شان کی راہ کا تعین کیا، جو اپنے زمانے کے شعرا سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ اس نے اپنے اشعار کو سابق اور لاحق کے ساتھ ایک ربط واتصال کا مضبوط حلقہ بنا دیا اور اس میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ کیونکہ اس نے قصیدہ کو بحث ونقاش کی ایک طویل فصل بنا کر پیش کیا، اپنی فکر کو آگے کے لئے تمہید اور سابق کے لئے نتیجہ بنا دیا، جملوں کی مضبوط ساخت میں لفظ ومعنی کو پیوست کر دیا۔ اپنے دور کی صنعت بدیع سے شاعر متاثر تو ہوا لیکن ابو تمام کی طرح سے اس

پر کلی اعتماد نہیں کیا‘‘(تاریخ الادب العربی،ص۱۸۷)

معنی کی گہرائی اور فطرت کی ترجمانی:

ڈاکٹر احتشام ندوی نے ذیل کی تحریر میں ابن رومی کی خصوصیات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

’’ابن رومی کی شاعری میں تنوع ہے، اس کے معنی میں ابداع وابتکار ہے، وہ معنی کا بادشاہ ہے، اس نے معنی کی گہرائی اور فطرت کی ترجمانی کو اپنی شاعری کا مقصد بتایا، اس نے جمال فطرت کے جلووں سے اپنی شاعری کے دامن کو بھر دیا۔

اس نے منظر نگاری میں امتیاز حاصل کیا۔ اس نے اپنی شاعری میں انسانوں کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ اس کی نفسیات کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس نے اپنے زندہ اشعار میں اشخاص کی زندہ تصویریں پیش کی ہیں۔

اس کے قصائد میں معنی کا تسلسل نظر آتا ہے۔ اس کے یہاں نظم کی وحدت ہے اور پورا قصیدہ ایک اکائی بن جاتا ہے۔ وہ ایک خیال اٹھاتا ہے اور پورے قصیدے میں وہی خیال ارتقا کی منزلیں طے کر کے تکمیل تک پہنچتا ہے۔ معنی کی وحدت اور قصیدے کے تمام اجزا کا ایک دوسرے سے مربوط ہونا اور حسن خیال کی دلکشی کو برقرار رکھنا ابن رومی کا امتیاز ہے، اس لئے ابن رومی کے ہر قصیدے کا عنوان مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا ہر قصیدہ ایک مرکزی تخیل کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ بغیر اعلی قوت متخیلہ کے ایسے قصائد نہیں لکھے جا سکتے۔

اس کے اندر فکری عظمت کا جوہر موجود ہے۔ اس کے معنی میں عمق ہے، اس کے الفاظ میں جادو ہے، اس کی فکر میں ندرت ہے۔ اس لئے اس کے قصائد میں ابتدا، ارتقا اور انتہا کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لئے کہ اس کا فکر ایک ارتقائی راہ سے گزرتا ہے۔(عربی ادب کی تاریخ کا تنقیدی مطالعہ ص۷۹-۱۸۰ از ڈاکٹر احتشام احمد ندوی)

النصوص الأدبية لابن الرومى:

(١) وقد رَنَّقَتْ شمسُ الأصيل ونَفَّضَتْ على الأُفُقِ الغَرْبِيِّ وَرْسًا مُزَعْزَعَا

(٢) ووَدَّعَتِ الدنيا، لِتَقْضِيَ نَحْبَهَا وشَوَّلَ باقى عمرِها فَتَشَعْشَعَا

(٣) ولاحظتِ النُّوَّارَ، وهى مريضةٌ وقد وَضَعَتْ خَدّاً الى الأرض أُضَرَعا

(٤) كما لاحَظَتْ عُوَّادَهُ عينُ مُدْنِفٍ تَوَجَّع من أوصَابِهِ ماتَوَجَّعَا

(٥) وظَلَّتْ عيونُ النَّوْرِ تَخْصَلُّ بِالنَّدَى كما اغْرَوْرِقَتْ عينُ الشَّجِيِّ لِتَدْمَعَا

(٦) يُرَاعِينَهَا صُوْراً اِلَيها، رَوَانِياً، ويَلْحَظْنَ أَلْحَاظاً من الشَّجْوِ خُشَّعَا

(٧) وبَيَّنَ اِغْضَاءُ الفِرَاقِ عَلَيْهِما كأنَّهما خِلَّا صَفَاءٍ تودعا

(٨) وقد ضُرِبَتْ فى خُضْرَةِ الرَّوضِ صُفْرَةٌ من الشمسِ فَاخْضَرَّ اخْضِرَاراًمُشَعْشَعَا

(٩) وأذْكَى نسيمَ الرَّوضِ رَيْعَانُ ظِلِّهِ وغَنَّى مُغَنِّى الطيرِ فيه وسَجَّعَا

(١٠) وغَرَّدَ رِبْعِيُّ الذُّبَابِ خِلَالَهُ كما حَثْحَثَ النَّشْوَانُ صَنْجاً مُشَرَّعَا

(١١) فكانت أَرَانِينُ الذُّبَابِ هُنَاكُمُو على شَدَوَات الطَّيرِضَرْباً مُوَقَّعَا

الفاظ ومعانی:

رنق ترنيقا (تفعيل)الشمس: ڈوبنے کا وقت قریب ہوا، رنّقت المنيةُ: موت کا وقت قریب آیا۔

الأصيل : شام کا وقت۔

نفض تنفيضاً (تفعيل) : أزاحت: دور کردیا، چھوڑ دیا، ڈال دیا۔

الورس : تل جیسا ایک پودا جو زرد رنگ کا ہوتا ہے

زعزع زعزعة (فعللة) : زور زور سے ہلانا، اگر مذعذعا پڑھا جائے تو جدا جدا اور منتشر کے معنی میں ہوگا۔ذعذعه: پراگندہ کرنا، جدا کرنا۔ ذعذعته المصائب: مصائب نے اُسے جھڑ جھڑا دیا۔

ودع،توديعا (تفعيل): الوداع کہنا، رخصت کرنا

نَحُبٌ: ضرورت

شوَّل تشويلاً (تفعيل): بلند کرنا

باقى عمرها: اس کی عمر کا باقی حصہ، مراد شفق ہے، سورج ڈوبنے کے بعد مغربی افق پر پھیلی ہوئی لالی۔

تشعشع تشعشعاً (تفعلل): روشنی کا پھیلنا

٣ النُّوّار (واحد) نُوَّارة: سفید رنگ کا پھول

أضرعُ : نہایت ذلیل۔

ضرع ضروعا (ن): قریب ہونا، آفتاب کا غروب ہونا۔

٤ دنف (س) وأدنف المريضُ: بیماری کا شدت اختیار کرلینا، مرنے کے قریب ہونا

وِصبٌ (ج) أوصاب: تکلیف، تھکان، بیماری۔

توجَّع توجعاً (تفعل): تکلیف محسوس کرنا۔

٥ نورة،نور (ج) أنوار: کلی

٦ رَاعَى مُرَاعاةً (مفاعلة): نگرانی کرنا، دیکھنا۔

صَوِرصورا (س): جھکنا، مائل ہونا، ٹیڑھا ہونا

أصور (مونث) صوراء: جمع ُصُوُرٌعلى وزن فُعُلٌ بمعنى

مائلات: مائل ہونے والیاں۔

رنا یرنو(ن): ٹکٹکی لگا کر دیکھنا

روانی:مدیمات النظر الیھا: مسلسل دیکھنے والی آنکھیں۔

لحظ،لحظاً(ف) گوشہ چشم (کنکھیوں سے دیکھنا)

الشَجُوُ: رنج،غم،دکھ

خاشع(ج)خُشَّع نگاہ پست کر کے زمین کی طرف دیکھنے والا۔

خشع بصرُہ(ف): نگاہ کا پست وذلیل ہونا۔

۷ بیَّن اغضاءُ الفراق: ہر شی پر تاریکی واضح ہوگئی (پھیل گئی)۔

الخِلُّ: جگری دوست۔

أغضَی اللیلُ: رات کا تاریک ہونا۔

۸ ضرب اللونَ فی اللونِ: خلط ملط کرنا،ملانا،گڈ مڈ کرنا،مکس کرنا۔

اخضرَّاخضراراً مشعشعاً: ہریالی ایک دم سے بھڑک اٹھی۔

اخضرَّتِ الشمسُ: سورج کا روشن ہونا۔

اِخْضَرَّ النباتُ: سبز ہونا۔

۹ اذکی،اذکاء(افعال): بھڑکانا،خوشبو کو تیز کرنا۔

راع،یریع،ریعا وریعانا(ض): نشو ونما پانا،زیادہ ہونا

سجَّع،تسجیعا(تفعیل): دہرانا۔

سَجَعَتِ الحمامةُ: کبوتر کا غٹرغوں کرنا۔

۱۰ الذباب(ج)أذِبَّةٌ،وذِبَّان: مکھی،بھڑ،شہد کی مکھی اور مچھر کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

رَبُعِیٌّ: متوسط سائز کی مکھی۔

حَثُحَثَ (فعلل): حرکت دینا۔

النَّشوان: نشہ میں مبتلا شخص۔

صنجٌ: جھانجھ،گھنگھرو جو ڈھول یا رقاصہ کی انگلیوں میں بندھے ہوں۔

شرَّع الشئَ: بلند کرنا۔

۱۱ رَنَّ رنیناً(ض) بلند آواز سے رونا

الرنین: دردبھری آواز۔أرانِین: نغمے

شدا شدواً(ن) گا گا کر شعر پڑھنا،شدوة (ج)شدوات:گانے

وَقَّعَ المغنِّی: تال پر سر ملانا(بَنَی ألحانَ الغناعلی نبراتھا)

ترجمہ

(۱) وقد رَنَّقَتْ شمسُ الأصيل ونَفَّضَتْ على الأُفقِ الغَرْبِيِّ وَرْسًا مُزَعْزَعَا

۱۔ شام کا سورج ڈوبنے کے قریب ہے۔ جاتے جاتے اس نے مغرب کے افق پر تل کے زرد پتوں کی مانند حرکت پذیر زرد رنگوں کو چھوڑ گیا (کائنات پر زردی پھیلا دی)۔

(۲) ووَدَّعَتِ الدنيا، لِتَقْضِيَ نَحْبَهَا وشَوَّلَ باقي عمرِها فَتَشَعْشَعَا

۲۔ سورج ڈوبا اور اس نے دنیا کو رخصت کیا تا کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرے، البتہ اس نے شفق کو بلند تر کیا تو اس کی روشنی بڑھتی گئی۔

(۳) ولاحظتِ النُّوَّارَ، وهي مريضةٌ وقد وَضَعَتْ خَدّاً الى الأرض أُضَرَعا

۳۔ اس نے جاتے جاتے سفید پھولوں کو غور سے دیکھا جو (فراق یار میں) خود بیمار تھے اور اس نے نہایت ذلت اور بے چارگی کے عالم میں مرنے کے لئے اپنے کو زمین پر ڈال دیا۔

(٤) كما لاحَظَتْ عُوَّادَهُ عينُ مُدْنِفٍ تَوَجَّع من أوصَابِهِ ماتَوَجَّعَا

۴۔ اس نے ان پھولوں کو ویسے ہی دیکھا جیسے موت کے منہ میں جانے والے کی آنکھیں اپنے تیمارداروں (عزیزوں) کو دیکھتی ہیں جو اپنی شدت تکلیف سے بے قرار ہوتا ہے۔

(٥) وظَلَّتْ عيونُ النَّوْرِ تَخْصَلُّ بِالنَّدَى كما اغْرَوْرِقَتْ عينُ الشَّجِيِّ لِتَدْمَعَا

۵۔ (ادھر) کلی کی آنکھیں شبنمی قطروں سے تر بتر ہونے لگیں۔ غم میں مبتلا اس شخص کی طرح سے جس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی ہوں اور رونا چاہتی ہوں۔

(٦) يُرَاعِينَهَا صُوْراً اِلَيها، رَوَانِياً، ويَلْحَظْنَ أَلْحَاظاً من الشَّجْوِ خُشَّعَا

۶۔ یہ کلیاں اس رخصت ہوتے سورج کی طرف متوجہ ہو کر اُسے گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں اور رنج و غم کی وجہ سے نہایت عاجزی و فروتنی کے ساتھ کنکھیوں سے تک رہی ہیں۔

(۷) وبَيَّنَ اِغْضَاءُ الفِرَاقِ عَلَيْهِما كأنَّهما خِلَّا صَفَاءٍ تودعا

۷۔ ان دونوں ہی پر جدائی کی تاریکی ظاہر ہوگئی۔ گویا دونوں مخلص دوستوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔

(۸) وقد ضُرِبَتْ في خُضْرَةِ الرَّوضِ صُفْرَةٌ من الشمسِ فَاخْضَرَّ اخْضِرَاراً مُشَعْشَعَا

۸۔ گلستاں کی سبزی اور سورج کی زردی میں یکجائی ہوگئی، تو ہریالی ایک دم سے بھڑک اٹھی۔

(۹) وأذْكَى نسيمَ الرَّوضِ رَيْعَانُ ظِلِّهِ وغَنَّى مُغَنِّي الطيرِ فيه وسَجَّعَا

۹۔ گلستاں کے بڑھتے ہوئے سایہ میں عطر بیز خوشبو بھڑک اٹھی (پھیل گئی) اور وہاں گویے پرندے گیت گانے لگے اور ایک لے میں گاتے رہے۔

(۱۰) وغَرَّدَ رِبعِيُّ الذُّبَابِ خِلَالَهُ كما حَثْحَثَ النَّشْوَانُ صَنْجاً مُشَرَّعَا

۱۰۔ یہیں متوسط درجے کی مکھیاں بھنبھناتی (چہچہاتی) رہیں جیسے کوئی متوالا پاٹ دار آواز والی جھانجھ بجا رہا

ہو(حرکت دے رہا ہو)۔

(۱۱) فكانت أرَانِينُ الذُّبَابِ هُنَاكُمُو على شَدَوَات الطَّيرِ ضَرباً مُوَقَّعَا

۱۱۔ تو یہاں تمہارے باغ میں مکھیوں کے نغمے پرندوں کے گانوں پر تال میں سر ملانے کا عمل تھا(جو نظر آ رہا تھا)۔

چند وضاحتیں:

☆ ابن رومی فطرت سے ہم کلام ہوتا ہے: ابن رومی مناظر قدرت کا دلدادہ اور ایک فطرت نگار شاعر ہے، اسے کائنات کی ہر چیز سے جذباتی لگاؤ ہے، وہ اس دنیائے رنگ و بو اور اس کی شکل وصورت پر فریفتہ ہے، اسے اپنے اردگرد فطرت کی ہر شی ایک زندو جود اور پیکر حسن و جمال نظر آتا ہے۔اس لئے اسے دیکھتے رہنا، اس کے وجود کی گہرائیوں میں جانا، ایک زندہ اور حساس وجود کی طرح اس سے مخاطب ہونا اور اس کے حوالے سے اپنے درد دل کو بیان کرنا شاعر کو بہت پسند ہے۔

شاعر جب فطرت کے کسی منظر کو موضوع سخن بناتا ہے، تو ایک جامد وجود کو باشعور انسانی فطرت میں تبدیل کر دیتا ہے۔جس کے احساس، جذبہ، شعور اور فکر ونظر کی قوت ''انسانی'' بن جاتی ہے۔موضوع بحث اشعار میں شاعر نے ہمارے سامنے ایک ایسا ہی منظر پیش کیا ہے، جس سے انسانی معانی، انسانی جذبات، انسانی سوچ اور انسانی درد والم کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔

پہلا منظر: اشعار ۱-۳: پہلا منظر یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست کو، یا ایک عاشق اپنے محبوب کو الوداع کہنے والا ہے، یہ ایک کربناک واندوہناک منظر ہے، اس منظر کا ہر پل درد والم اور رنج وغم کی منہ بولتی کہانی ہے۔یہ ایک مرنے والے عاشق (آفتاب) کی کہانی ہے جو جانکنی کے عالم میں ہے، چند ہی لمحوں میں اس کی سانس اکھڑنے والی ہے اور اس جہان فانی سے کوچ کر جانے والا ہے، یہ ایک المیہ کی کہانی ہے۔

وہ آفتاب جو صبح تڑکے منصۂ شہود پر جلوہ گر (پیدا) ہوا تھا، زوال تک جو ۳۰-۳۵ سالہ جوان رعنا تھا، زوال کے بعد خود زوال کی طرف ڈھلکنے لگا، شام گئے تک بیماری اور بڑھاپے نے اس کی زندگی کا رس چوس کر، اسے زرد و بدرنگ بنا دیا۔وہ آفتاب جس کے وجود کی برکت سے دنیا کی جامد و جاندار چیز روشنی اور زندگی پاتی تھی، وہ آج لاچار و بے بس ہے۔وہ آج ہر شی پر حسرت کی نگاہ ڈالتا ہے۔اس کی آنکھوں میں کیسی بے بسی اتر آئی ہے۔ایک طرف وہ سکرات موت سے جھوجھ رہا ہے، تو دوسری طرف اس محبوب دنیا کی ہر محبوب چیز سے بچھڑنے کا خیال ہی اس کے لئے سوہان روح ہے۔

دوسرا منظر اشعار ۴-۶: اس باغ ہستی کے جن پھولوں کو آفتاب داغ مفارقت دینے والا ہے، ان کا حال ناقابل بیان ہے، غم فراق کے خوف سے ان کے شاداب چہرے کمہلائے ہوئے ہیں اور یاس و ناامیدی کے بھیانک تصور سے سہمے ہوئے ہیں۔ان کی آنکھیں اشکبار ہیں، چمن کے پھولوں کو سکتہ سا ہو گیا ہے۔ان کے سپاٹ چہروں اور ان کی بے بس آنکھوں میں بظاہر سکون نظر آتا ہے، مگر وہ تو سکتے اور مدہوشی کی سی کیفیت میں مسلسل موت سے کشمکش کرنے والے آفتاب کو گھورے جا رہے

کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے موت کے چنگل سے نکالا نہیں جا سکتا۔

تیسرا منظر ساتواں شعر: بس اس باغ حیات میں آفتاب کی طرح چند ہچکیاں باقی رہ گئیں ہیں۔ یہ کیسی بے بسی اور کیسی لاچارگی ہے۔عزیز و اقارب مرنے والے کو اور مرنے والا اپنے چاہنے والوں کو حسرت بھری نظریں ڈال رہا ہے۔سانس اکھڑ رہی ہے اور وہ دیکھو! اُس نے آخری ہچکی لی، وہ آفتاب جو آج تک ،ابھی تک دنیا کو اپنے وجود سے منور کرتا رہا، آج اپنے شناساؤں کو چھوڑ کر دور چلا گیا، وہ زندگی کی جنگ ہار گیا، وہ مر گیا!!۔

آفتاب کے بچھڑ جانے کے غم نے پورے گلستان میں غم کی سیاہ چادریں پھیلا دی ہیں۔ ہر طرف نالہ وشیون، آہ و بکا کی صدائیں ہیں۔

آخری منظر اشعار ۸-۱۱: آخری منظر: بادصبا آج بہت اشکبار ہے!! مگر یہ طائران باغ ہستی اپنی نوا سنجیوں میں کیوں مشغول ہیں، ہاں یہ الاپ، یہ نوحہ و ماتم میں یہ نغمے، یہ درد بھرے گانے، یہ مکھیوں کی سریلی تانیں اور اور یہ پرندوں کے المیہ گیت آخر کیوں؟؟ ہاں اس لئے کہ راہ محبت میں کامیابی سے گزر جانے والے عاشق کا جنازہ اٹھنے کو ہے، اسے تزک و احتشام اور دھوم دھام ہی سے جانا چاہئے۔اس لئے پرندوں سے لے کر مکھیوں تک نے اپنی نغمہ ریزیوں اور موسیقی کی ترنگ کے ساتھ اس عاشق بے مثال کے جنازے کو آخری سلامی دے کر رخصت کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

تشخیص کے عمل میں زندگی کی رَو:

مذکوہ بالا اشعار میں شاعر نے آفتاب اور مغربی افق پر اس کے زرد رنگ کے انعکاس کو۔دنیا سے اس کے رخصت ہونے اور اپنے پیچھے رنگ شفق چھوڑ جانے کے دلکش نظاروں کو۔کلیوں کی بے تابی اور ان کے حزن وملال کو۔مرنے والے کی موت کی سختیوں کو۔ابتلا و آزمائش میں ڈوبے چمن کے بوٹے بوٹے کے یاس وحرمان کو کیمرے کی سی ہنرمندی ہی کے ساتھ پیش نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ کمال دکھایا ہے کہ اس نے 'تشخیص' کے عمل سے موصوف کے اندر زندگی کی رَو اور احساس کی لطافت پیدا کر دی ہے۔

ابن رومی کی شاعری صرف منظر نگاری پہ اکتفا نہیں کرتی، وہ اس کے اندر رقص وحرکت ہی پیدا نہیں کرتی۔ایک حرکت پذیر زندگی اور روح پرور زندہ شعور کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ جہاں شعور کی طاقت محسوسات کی حد بندیاں توڑ کر باطنی جذبات کی ترجمان بن جاتی ہے، تب ابن رومی کے یہاں قدرت کے جامد مناظر زندہ اشخاص بن جاتے ہیں۔جو زندگی کے اتار چڑھاو، بہار وخزاں، سرور والم اور انسانی شعوری جذبات سے متاثر ہوتے ہیں۔

قصیدے میں چھپا شاعر کا درد دل:

یہ شاعر کے محض شاعرانہ تخیل کی پرواز نہیں ہے، بلکہ مناظر قدرت کے حوالے سے یہ اس کی ذات کا بیانیہ ہے۔اس میں بچپن کی معصوم خوشیاں، ماضی کی حسین یادیں، جوانی کے لذت انگیز تصورات اور خاندانی زندگی کے آلام روزگار پوشیدہ ہیں۔وہ زندگی جو کبھی بہار اور خزاں بن کر، کبھی حسن و جمال اور کبھی دلفگار حادثہ بن کر ابھرتی رہتی ہے۔

ابن رومی کی شاعری کا یہ نمونہ وصف نگاری کا نقطۂ امتیاز بھی ہے اور مرثیہ گوئی کا کمال بھی، یہ حقائق زندگی کی المیہ روداد بھی ہے اور قدرت کی شاہکار مخلوقات کے حسن و جمال سے متاثر تغزل کا رنگ بھی۔

خلاصہ

۱- **خاندان:** ابن رومی کا نام ابوالحسن علی بن عباس تھا۔۲۲۱ھ مطابق ۸۳۶ء میں بغداد میں پیدا ہوا، بچپن ہی سے باپ کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے بڑے بھائی کی کفالت میں پروان چڑھا، بڑا بھائی چونکہ خود شعروشاعری کے عمدہ ذوق کا مالک تھا، ابن رومی کی جانب خصوصی توجہ دی، ابن رومی کا باپ صاحب حیثیت تھا، مگر اسراف کی عادت اور حوادث زمانہ نے ابن رومی کو دکھ جھیلنے پر مجبور کر دیا۔

۲- **شعروادب کا ذوق اور شاعری کا آغاز:** ابن رومی کو شعروادب کے علاوہ علمی ذوق بھی ملا تھا، اپنے وقت کے اساتذۂ فن سے خوب فائدہ اٹھایا اور دینی، علمی، ادبی، عقلی وفکری ثقافت سے مالا مال ہوا۔شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے ہجو کے اشعار کہے، اُس کے بعد تو پھر ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی، مگر زمانے کے رواج کے مطابق مدحیہ قصائد کثرت کے ساتھ کہے، تقریباً چالیس لوگوں کی مدح کی، ان میں آل طاہر اور آل وہب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۳- **بڑے شاعر کے گھٹیا اخلاق:** ابن رومی کو اپنی خاندانی اور ازدواجی زندگی میں مسلسل حوادث روزگار کا سامنا کرنا پڑا، جس کا نفسیاتی اثر یہ پڑا کہ یہ شخص سوداوی المزاج (ہر چیز کو سیاہ عینک سے دیکھنے کا مزاج رکھنے والا) اور قنوطی ہو گیا، غرور، بدخلقی، بدمزاجی، آدم بیزاری اس کی سرشت کا حصہ بن گئی، کھانے کے معاملے میں بے حد حریص اور پھوہڑ واقع ہوا تھا، شاعری میں اس کے نبوغ اور کمالات کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ ابن رومی اس قدر بدعقیدہ، بدخلق اور بدشگون، لالچی اور انسانوں سے بے زار اور نالاں ہوگا۔

۳- **شاعری:** ابن رومی ایک عبقری شاعر تھا، ہجو اور وصف نگاری میں اعلی پایہ کا شاعر تسلیم کیا گیا ہے، اس نے تمام اصناف سخن پر شاعرانہ کمالات کا ثبوت دیا ہے، یوں اس کی شاعری کو تین نمایاں پہلو میں سمیٹا جا سکتا ہے:

(۱) فنی خصوصیات۔

(۲) اس کے افکار وخیالات۔

(۳) اپنے دور، ماحول اور مناظر قدرت کی تصویر۔

ابن رومی کی شاعری میں لفظ پر معنی کو ترجیح دینے کا رجحان غالب ہے۔ابن رومی کی کل شاعری نئے معانی اور نئے موضوعات کا ایک بے کراں سمندر ہے اور یہ سمندر اس کی ذات کا عکس جمیل اور فنی بیانیہ ہے۔

سوالات:

۱- ابن رومی کے خاندانی زندگی کے نشیب وفراز، اس کے اخلاق اور عادات واطوار کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اختصار کے ساتھ ایک جامع نوٹ تحریر کریں؟

۲- ابن رومی کے شاعرانہ نبوغ پہ روشنی ڈالیں؟

۳- ابن رومی نے کن اصناف سخن میں شہرت پائی؟ کسی ایک صنف پہ تفصیل سے اظہار خیال کریں؟

۴- ابن رومی نے اپنے قصیدوں میں موضوع کی وحدت پر خصوصی توجہ دی ہے، موضوع کی وحدت سے آپ کیا سمجھتے ہیں، وضاحت کریں؟

۵- ابن رومی کے نمونے میں اشعار نمبر۳-۶ (چار اشعار) کو اپنی کاپی پر لکھ کر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور ابن رومی کی وصف نگاری کے کمال کو اجاگر کریں؟

۶- نمونے میں دیئے گئے اشعار میں سے آخر کے دو اشعار (دسویں اور گیارہویں) کے الفاظ کی لغوی تشریح کریں اور اشعار کا ترجمہ بھی کریں؟

۷- ابن رومی کے ان اشعار میں وصف نگاری کے کیا بنیادی عناصر آپ کو نظر آتے ہیں، اس سلسلے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں اسے قلم بند کریں؟

۸- کیا ان اشعار میں مرثیہ کا مزاج اور اس کے رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے؟ اگر ہاں تو وضاحت کریں؟

مراجع

ابن الرومی: حیاته و شعره	ازعباس محمود العقاد
ابن الرومی فنه و نفسیته	ازایلیا سلیم حاوی
ابن الرومی	ازمحمد عبدالغنی حسن
ابن الرومی	ازمدحت عکاشہ
ابن الرومی	ازعمر فروخ
تاریخ الأدب العربی	ازحنا فاخوری
تاریخ الأدب العربی العصر العباسی	ازڈاکٹر شوقی ضیف
تاریخ الأدب العربی الأعصر العباسیة	ازعمر فروخ
ابن الرومی	ازخلیل شرف الدین
ابن الرومی	ازمحمد محمود
دیوان ابن الرومی تحقیق	ازعبدالامیر مہنا